مقبول ترین قومی ایوارڈ یافتہ کثیر الاشاعت میگزین

ماہ نامہ آبِ حیات لاہور

جلد 19/ شمارہ 11/ نومبر 2019 / ربیع الاول 1441ھ

مدیر اعلیٰ کے والدگرامی کا سفرِ آخرت

مقبوضہ کشمیر

مثالی خاندان

وزیر اعظم کی جنرل اسمبلی میں تقریر

مولانا مفتی محمود اور مولانا فضل الرحمن

محکمہ ڈاک تباہی کے دہانے پر

انسانی جزا اور سزا کا قانون

STOP ISLAMOPHOBIE

اسلاموفوبیا

مدیرِ اعلیٰ
شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب حفظہ اللہ
مہتمم جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

خلیفہ مجاز
پیرِ طریقت عارف وقت حضرت اقدس شاہ ڈاکٹر عبد المقیم صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز
شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اِدارہ آبِ حیات ٹرسٹ لاہور
غوث گارڈن 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ
رابطہ نمبرز 0300-0321-9458876

حکومت پاکستان کی وزارت اطلاعات سے باقاعدہ منظور شدہ

ماہنامہ

آبِ حیات

لاہور

جلد ۱۹ شمارہ ۱۱ نومبر ۲۰۱۹، ربیع الاول ۱۴۴۱ھ

زیرِ نگرانی

حضرت مولانا قاری عبدالسلام حدوٹی عباسی

مہتمم دارالقرآن جامعہ آنی علیوٹ مری

مدیرِ اعلیٰ

مولانا محمود الرشید حدوٹی عباسی

خلیفہ مجاز

پیرِ طریقت عارفِ وقت حضرت اقدس شاہ ڈاکٹر عبدالمقیم صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قیمت فی شمارہ 20 روپے

سالانہ 350 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ آبِ حیات ٹرسٹ

غوث گارڈن 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ

0300-0321-9458876

Mahmoodhadoti@gmail.com

ماہ نامہ آب حیات لاہور

نومبر ۲۰۱۹ء

اِدَارَہ آب حَیَات کی عَاجزَانَہ خِدمَات

ادارہ آب حیات ٹرسٹ حکومت پاکستان سے باقاعدہ رجسٹرڈ ہے، جو گزشتہ دو دہائیوں سے رفاہی، فلاحی اور دینی خدمات انجام دے رہا ہے، یہ ایک غیر سیاسی ادارہ ہے، ادارہ کے تحت ماہ نامہ آب حیات، ماہ نامہ تحفہ خواتین، ماہ نامہ شان دار، ماہ نامہ صدائے جمعیت، شہر لاہور سے تسلسل سے شائع ہو رہے ہیں، ان پر ہر ماہ ہزاروں روپے کے اخراجات اٹھتے ہیں، مخیر حضرات کی خصوصی توجہ مطلوب ہے، یہ صدقہ جاریہ ہے جو قیامت تک ان شاء اللہ اپنا فیضان عام کرے گا، ادارہ کے حسابات باقاعدہ منظور شدہ آڈیٹر سے آڈٹ ہوتے ہیں۔



گونا گوں صفات، عمدہ اور بہترین خوبیوں سے مزین میرے والد گرامی (الحاج محمد ارشاد عباسی) اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

میرے والد مرحوم ۷۶ سال پہلے سرزمین حدوٹ میں جنم افروز ہوئے تھے، میرے دادا جان حاجی محمد سلیمان مرحوم نے اپنے بیٹے کی پیدائش پر اللہ کی بارگاہ میں کلمات شکر ادا کیے، ہمارے دادا جان کا انتقال ۱۹۹۱ء میں نماز اشراق پڑھنے کے بعد ہوا تھا، ہمارے پردادا گلاب خان مرحوم کا انتقال عشاء کی نماز میں حالت سجدہ کے دوران ہوا تھا، یہ بات ہمارے پورے خاندان کے لیے کسی سعادت مندی سے کم نہیں ہے، اس پر ہم اللہ کی بارگاہ میں کلمات شکر ادا کرتے ہیں۔

میرے والد مرحوم عالم تھے نہ حافظ، مگر ان کے بارے میں اھل سخن یہی فرماتے ہیں کہ وہ علماء کے والد ضرور تھے، ہم نے جب سے ہوش کی آنکھ سنبھالی اپنے والد مرحوم کو محنت مزدوری کرتے دیکھا، وہ دن رات ہماری ضروریات پوری کرنے میں صرف فرماتے تھے، ہمارے خورد و نوش کی ضروریات ہوں یا تعلیمی سب ہی وہ پوری کرتے رہے، ہم بھی اپنے والد مرحوم کی اس محنت شاقہ کو دیکھ کر اپنے تعلیمی سفر میں دھیرے دھیرے چلتے رہے، ہم نے طویل ترین سفر طے کیا، اللہ نے والدین ماجدین کی دعاؤں کے صدقے ہماری دستگیری فرمائی، مولویوں کی صف میں کھڑا کر دیا، مسجدوں اور مدرسوں کے ساتھ ہمارا تعلق استوار فرما دیا، الحمد للہ۔

پاکستان میں محنت مزدوری کرتے رہے، ایک وقت آیا کہ والد گرامی سخت مقروض ہو گئے، جس کے باعث انہیں سرزمین پاکستان سے کویت کی سمت نکلنا پڑا، وہ تلاش معاش میں دیار غیر جا پہنچے، جہاں قریباً تین دہائیاں کام کرتے رہے، محنت ومزدوری میں مشغول رہے، آج سے دس سال پہلے وطن واپس لوٹے اور یہاں بھی اپنا سلسلہ محنت جاری وساری رکھا۔

میرے والد گرامی ان سعادت مند لوگوں میں سے ایک تھے جنہوں نے عہد شباب میں بیت اللہ شریف کی زیارت کی، وہ ہمارے دادا جان سمیت چند لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت کے لیے لے گئے تھے، یہ ۱۹۷۶ء کی بات ہے، جب وہ گاڑی خود ڈرائیو کر کے حرمین شریفین پہنچے تھے، یہ طویل ترین سفر پاکستان کی حدود عبور کرتے ہوئے کیا، طورخم بارڈر عبور کیا، افغانستان کی سنگلاخ پہاڑیاں عبور کیں، ایران کے دشوار گزار پہاڑی راستے سر کیے، عراق، کویت کی حدود سے نکلتے ہوئے سعودی عرب میں داخل ہوئے، جہاں انہوں نے عمرہ کیا، مناسک حج ادا کیے اور اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوئے، اللہ تعالیٰ اس پر مشقت سفر کی انہیں اپنی عالی بارگاہ سے جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان کا عہد شباب میں کیا ہوا حج مبرور ومقبول فرمائے۔آمین

ہم نے اپنے والد گرامی کو عہد شباب میں متدین اور متصلب فی الدین دیکھا، پنجگانہ نماز کی ادائیگی باقاعدہ باجماعت کرتے تھے، ہمارے دادا جان کے کمرے میں ایک لمبی چٹائی ہمہ وقت بچھی رہتی تھی، جس پر پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کی جاتی تھی، چونکہ مسجد گھر سے بہت دور تھی، گھر میں ہونے کی صورت میں اسی مقام پر ہم لوگ نماز باجماعت ادا کرتے تھے، زیادہ تر امامت ہمارے دادا جان کرواتے تھے، جب ہم طالب علم تھے اور کچھ پڑھنا آ گیا تو دادا جان ہمیں آگے کر دیتے تھے۔

جتنا عرصہ والد گرامی کویت میں مقیم رہے اتنے عرصہ میں پنجگانہ نمازیں باقاعدہ مسجد میں باجماعت ادا فرماتے رہے، وہاں علمائے کرام کے دروس قرآن میں باضابطہ حاضری دیتے رہے، عربوں کے ساتھ آپ کو بہت پیار تھا، ایک زمانہ میں انہوں نے کویت کے ایک عربی شیخ سے باضابطہ عربی زبان بھی سیکھی تھی، جس کی ایک کاپی میرے پاس ان کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔

پاکستان آنے کے بعد بھی ہم نے انہیں پنجگانہ باجماعت نماز صف اول میں ادا کرتے دیکھا، کبھی کبھار گھر میں نماز پڑھتے تو اس میں بھی جماعت کا بہت اہتمام کرتے تھے، اب پیرانہ سالی کی وجہ سے کچھ کچھ کمزور ہو گئے تھے مگر ہم نے دیکھا کہ مسجد میں اذان خود کہتے اور جماعت کا اہتمام کرتے، پھر ہمارے چچا جان حافظ عمر خطاب صاحب نے اپنی زمین میں ایک خوبصورت اور بہترین مسجد تعمیر کر دی، اب اتنی سہولت ہو گئی کہ والد صاحب پنجگانہ نماز اس مسجد میں ادا کرنے لگے۔

نماز جمعہ کے لیے جمعرات سے اہتمام شروع فرما دیتے تھے، جمعہ کے دن تو مکمل تیاری کے ساتھ اول وقت میں جمعہ کے لیے گھر سے نکل جاتے تھے، جامع مسجد فاصلے پر ہونے کی وجہ سے پیدل چل پڑتے یا کسی اور نمازی کے ساتھ روانہ ہو جاتے، پہلی صف میں بیٹھ کر ہمہ تن گوش متوجہ ہو کر بیان سنتے تھے، پھر جمعہ کے بعد فضائل اعمال کی تعلیم ہوتی تو وہاں کچھ دیر بیٹھ کر دینی باتیں سنتے تھے۔

والد صاحب کی چارپائی کے قریب ایک چھوٹی تپائی، اس پر رات کو سونے سے پہلے ٹارچ اور ڈھائی بجے الارم دینے کے لیے ٹائم پیس معمول تھا، تہجد کے لیے پابندی سے اٹھتے تھے، پھر نماز تہجد کے بعد مسلسل دعائیں مانگتے رہتے تھے، اپنے تمام رشتہ داروں کا نام لے لے کر دعائیں کرتے رہتے تھے۔

والد گرامی کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں سے مالا مال اور سرشار کر رکھا تھا، وہ نیت کے صاف تھے، خوبصورت اسلامی اخلاق کے مالک تھے، ان کا دل ہر مسلمان کے بارے میں آئینہ کی طرح شفاف تھا، وہ ہر کسی کا بھلا چاہتے تھے، کسی کی دل آزاری نہیں کرتے تھے باوجودیکہ ان کی طبیعت میں جلال غالب تھا، مگر کبھی بھی بے جا جلال کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔

ہم چار بھائی (مولانا قاری عبدالسلام حدوٹی، محمود الرشید حدوٹی، ہارون الرشید اور محمد نواز اللہ عباسی) ہیں، بڑے دو ہم مولوی ہیں، بندہ کا ایک عرصہ تک معمول رہا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ ملکہ کوہسار مری میں گزارتا رہا، اسی دوران قرآنی محافل میں بیانات کے مواقع بھی مل جاتے، اگر کسی پروگرام میں میرے والد گرامی موجود ہوتے تو پورا بیان توجہ اور انہماک سے سماعت فرماتے، واپسی پر قابل اصلاح باتوں کی اصلاح فرمادیتے۔

امسال بندہ رمضان المبارک کے بعد ملکہ کوہسار مری میں مقیم رہا، عید الاضحیٰ کے بعد لاہور کے لیے واپسی ہوئی، میری واپسی سے ایک دن پہلے والد گرامی کی طبیعت کچھ خراب ہوئی، میں اپنے مقامی ڈاکٹر جناب امتیاز مرزا صاحب کے پاس لے گیا، جو ہمارے مطالعہ اور تجربہ کے مطابق انتہائی اعلیٰ درجہ کا نباض اور اپنے فن کا مشاق اور کہنہ مشق ڈاکٹر ہیں، انہوں نے والد صاحب کا ایک ٹیسٹ مقامی لیبارٹری سے کروایا، جس سے پتا چلا کہ والد گرامی کی آنتوں میں انفیکشن ہے، ٹیسٹ کی رپورٹ آتے ہی والد صاحب کی دوائی تبدیل کر دی، بیماری کے مطابق دوا دی۔

میں اس بات پر مطمئن ہو گیا کہ اب دوائی تبدیل ہو گئی ہے ان شاء اللہ جلد روبصحت ہو جائیں گے، اسی اطمینان کے پیش نظر میں اپنی فیملی لے کر لاہور آگیا، مگر

ایک آدھ دن کے بعد پھر طبیعت میں گرانی اور بخار کی شدت ہوئی، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ انہیں راولپنڈی لے جائیں، وہاں پرائیویٹ ڈاکٹر مطیع اللہ سے تشخیص کروائی، انہوں نے ٹیسٹ کروائے اور پانچ دن کے لیے ڈرپیں تجویز کیں، اسی اثناء میں میرے چھوٹے بھائی محمد نواز اللہ عباسی دبئی سے واپس پاکستان پہنچ گئے، میں بھی رسائل اور میگزینوں کا کام سمیٹ کر واپس مری چلا گیا۔

پانچ دن کی ڈرپوں کے بعد ہم نے والد صاحب کو دوبارہ ڈاکٹر مطیع اللہ سے چیک کروایا، جس پر انہوں نے والد صاحب کی کمزوری کے پیش نظر دو تین دن کے لیے ہیوی ڈوز لکھ دیں، جن کے استعمال کرتے ہی والد صاحب کی طبیعت اس قدر پریشان کن ہو گئی کہ ہمارے بھی حواس باختہ ہونے لگے، اس پر ڈاکٹر امتیاز صاحب کو زحمت دی، انہوں نے کمال محبت کا اظہار کرتے ہوئے کئی بار والد صاحب کو چیک کیا اور ہولی فیملی راولپنڈی لے جانے کا مشورہ دیا۔

والد صاحب کو لے کر ہم لوگ ہولی فیملی پہنچے، جہاں کوئی بائیس چوبیس روز تک والد صاحب زیر علاج رہے، اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ہولی فیملی کے ڈاکٹروں نے ہمارے والد ماجد کا بہت احسن اور عمدہ طریقے سے علاج کیا، ادویہ مہیا کیں اور لحہ لحہ ڈاکٹرز چیک کرتے اور ان کی کیفیت بتاتے رہے، تمام ٹیسٹ کروائے، ہر ٹیسٹ کلیر آتا رہا، کوئی خاص بیماری وجود میں نہیں تھی، کیا اینڈوسکوپی، کیا کلونوسکوپی اور کیا سٹی سکین، سب ہی رپورٹیں صاف آئیں، بس آنت میں معمولی سی سوزش ظاہر ہوئی، ۳۰ ستمبر کو والد صاحب کو ہولی فیملی سے گھر لے آئے۔

یہ اتوار کا دن تھا، جب والد صاحب کو ہم گھر لے کر آئے، ہمارے ذہن میں یہ تھا کہ ان شاءاللہ بیماری کوئی نہیں تو گھر میں ان کی کھانے پینے کی ترتیب درست ہو گی

تو وہ روبصحت ہو جائیں گے، مگر والد صاحب سے جب ہم پوچھتے تو نفی کے لیے سر دائیں بائیں گھمادیتے تھے، مگر ہم مطمئن تھے کہ ان شاءاللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔

۳۱اکتوبر کی صبح جب میں والد صاحب کے پاس پہنچاتو سانس خلاف معمول تھا، یہ جمعرات کادن تھا، میں نے ان کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہی ہاتھوں سے ان کے سفر آخرت کااشارہ دے دیا، میں نے سب گھر کے لوگوں سے کہہ دیا کہ میرے والد کاسفر شروع ہو چکا ہے، یہ معلوم نہیں کہ یہ سفر کتنا عرصہ جاری رہے گا، مگر یہ کسی خاص قبولیت کی، سعادت بھری گھڑی کاانتظار کر رہے ہیں، دن بھر طبیعت وقفے وقفے سدھرتی اور بگڑتی رہی، رات گیارہ بجے مجھے اس وقت یوں کہہ کر بلایا کہ مولوی جی! میں اپنے ہاتھ سے کتاب قلم رکھ کر ان کی طرف لپکا، تو فرمانے لگے کہ مجھے دم کر واور جا کر سو جاؤ سبحان اللہ بیماری کی ان آخری گھڑیوں میں بھی ہماری راحت اور آرام کاان کو اس قدر خیال تھا۔

میں نے دم کیااور اپنے کاشانہ میں چلا گیا، اللہ کی شان ملاحظہ کیجیے کہ میں روزانہ مطالعہ کرتے کرتے رات کے ایک دو بجادیتا ہوں، اس رات میں والد صاحب کے کہنے پر سوا گیارہ بجے ہی تھوڑا سا مطالعہ کر کے سو گیا، صبح پھر زیارت کے لیے حاضری ہوئی، تو بائیں طرف آرام فرما تھے، میں نے پہلو بدلنے کا کہا تو انکار کر دیا، پھر کچھ دیر بعد جب پہلو بدلانے کا حکم ملا تو میں اور میری سب سے چھوٹی بھابی نے ان کا رخ دائیں طرف کر دیا۔

کچھ دیر گزری میری چھوٹے بھائی ہارون الرشید اور محمد نواز اللہ آئے اور انہوں نے والد صاحب کا لباس تبدیل کیا، چونکہ والد صاحب گزشتہ بائیس چوبیس دنوں سے صاحب فراش ہو گئے تھے، پھر ہم ان کی چارپائی کو باہر صحن میں لے گئے، جہاں

کچھ لمحے انہوں نے دھوپ میں گزارے، کھاناپینا گزشتہ بیس چوبیس دنوں سے قریباً موقوف ہو چکا تھا،ڈرپیں لگتی تھیں یا چمچ کے ذریعے ہلکی پھلکی چیز پیش کی جاتی تھی، جب انہیں زبردستی کھلانے کی کوشش کی جاتی تو فرماتے کہ جب میرا کھانا ختم ہو گیا ہے تو پھر کیوں کھلاتے ہو؟

میرے والد گرامی کی آخری خوراک ایک انڈا،آدھا کپ دودھ تھی، جو جمعہ کے دن کھائی، پھر کچھ دیر کے لیے صحن میں ہی ان پر ایک سفید کپڑا رکھ دیا گیا، میں اسی اثناء میں اپنے مطالعہ میں مصروف ہو گیا، میں ان کی چارپائی کے قریب ہی پائنتی والی جانب بیٹھا تھا،اسی اثناء میں میرے چچاجان حافظ عمر خطاب صاحب کا فون آگیا، میں نے انہیں بھی اطلاع دے دی کہ والد صاحب کا سفر جاری ہے مگر نہ معلوم یہ کب تک جاری رہتا ہے، چچاجان کے رونے کی آواز میں نے سنی اور لائن کٹ گئی۔

چچاجان کا فون بند کرنے کے بعد میں نے اعلان کیا کہ جمعہ کا وقت قریب آرہا ہے ہم جمعہ پڑھ کر فوراًواپس آجائیں گے، مگر اسی اثناء میں والد صاحب نے اپنے اوپر رکھا ہوا سفید کپڑا ہٹایا، تو میں اپنے ہاتھ میں زیر مطالعہ کتاب فوراً سے رکھ کر والد صاحب کے قریب ہو گیا،گھر کی ساری مستورات والدہ صاحبہ سمیت قریب ہو گئیں، ہماری پھوپھی جان کئی دنوں سے یہاں موجود تھیں، وہ بھی قریب ہو گئیں، ہماری چچی جان بھی موجود تھیں، ہماری دو بہنیں موجود تھیں، اباجان کے پوتے پوتیاں، دھترے دھتریاں بھی موجود تھیں،سب ہی لوگ اباجان کی چارپائی کے گرد ھالہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔

چھوٹا بھائی نواز اللہ بھی موجود تھا، اباجان کی غیر معمولی نزاعی کیفیات دیکھ کر میں نے فوراً کہا کہ ہارون کو بلالائیں، ہارون آگیا،اس نے بھی آخری لمحات کی یہ کیفیات دیکھ کر

حیرت میں کھڑے ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔

پھر والد صاحب کی چارپائی ہم برآمدے میں لے گئے، جہاں اسے تین قسطوں میں رُوبقبلہ کیا گیا، اس اثناء میں حافظ بچے یاسین شریف، کوئی سورۃ فاتحہ شریف اور زیادہ تر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے چلے جارہے تھے، والد صاحب کے ہونٹوں پر صحن میں ہی آخری کپکی طاری ہوگئی تھی، برآمدے میں چارپائی لانے کے بعد میں وضو کرنے چلا گیا، وضو بنا کر راستے سے واپس ہوتے ہی میں نے اللہ کی طرف سے بارش کی پھوار کڑکتی دھوپ میں برستی دیکھی، جونہی والد صاحب کی چارپائی کے قریب پہنچا تو بس کلمہ شریف کے آخری الفاظ ان کے ہونٹوں پر رقصاں تھے، یوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے والد گرامی کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

یہ ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۹ء جمعہ کا دن تھا، ۴ صفر ۱۴۴۱ھ ٹھیک ایک بج کر پانچ منٹ تھے۔ اللہ میرے والد صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

میرے والد گرامی کی بیماری میں ان کی ساری اولاد میں جن لوگوں نے ان کی ٹوٹ کر دن رات خدمت کی وہ میرے پیارے بھائی ہارون الرشید اور بھائی محمد نواز اللہ تھے، باقی بھی پیچھے نہیں رہے، ہم سات بھائی بہن ہیں، مگر ان دو بھائیوں اور ہماری بہنوں نے والد صاحب کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اللہ ان سب کو اپنی شایان شان عطا فرمائے۔

والد گرامی کا جنازہ پاک کرنے اور تکفین کی سعادت بھی بھائی ہارون الرشید نے سمیٹی، جب کہ جنازہ بندہ ناچیز نے پڑھایا اور لحد میں بڑے بھائی جان مولانا عبدالسلام صاحب اور ہارون نے اتارا، دائیں طرف تلقین میرے بیٹے اسامہ محمود حدوٹی اور بائیں طرف قاری بلال احمد حدوٹی نے پڑھی، دعا اس ناچیز نے کروائی اور یوں رات

کی تاریکی اور خنکی میں ہمارے اباجان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئے۔

میں اس موقع پر ملکہ کوہسار مری کے دشوار گزار علاقوں سے جنازہ میں بھرپور شرکت کرنے والے اعزہ، اقربا، رشتہ داروں، عامۃ الناس اور حضرات علماء کرام کا شکریہ ادا کرتا ہوں، خطیب کوہسار قاری سیف اللہ سیفی صاحب اور مفتی خالد حسین عباسی صاحب نے جنازہ کے موقع پر والد صاحب کی خدمات جلیلہ اور شخصیت کا تذکرہ کیا، اللہ اس پر انہیں جزائے خیر دے۔

میرے والد گرامی کے جنازے میں بہت سے حضرات نے شرکت کی، باوجودیکہ ہم نے جنازے کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا، ہم نے قبر کے تیار ہونے پر جنازے کی ادائیگی کا اعلان کیا، رات کو ساڑھے نو بجے کے قریب جنازہ ادا کیا گیا، جس میں علماء کرام کی بہت بڑی تعداد تھی، قرآن کریم کے قاریوں کی بڑی تعداد تھی، حفاظ قرآن کریم کی ایک بڑی تعداد تھی، سنت رسول کے پابند باریش بزرگوں کی ایک تعداد تھی، والد گرامی کا جنازہ علاقہ بھر کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔

جو لوگ جنازے پر شریک نہیں ہو سکے وہ مسلسل کئی دن تک تعزیت کے لیے وقفے وقفے سے تشریف لا کر ہماری ڈھارس بندھاتے رہے، ملکہ کوہسار مری کے خطیب حضرت قاری محمد سعید عباسی صاحب دوسرے تیسرے دن تشریف لائے تو والد صاحب کی تعزیت میں جو کلمات انہوں نے ادا فرمائے ہمیشہ ہماری لوح قلب پر محفوظ رہیں گے، انہوں نے ہمیں ہمارے والد مرحوم کا بہترین صدقہ جاریہ قرار دیا، اور فرمایا کہ مولانا عبدالسلام حدوٹی اور مولانا محمود الرشید حدوٹی جس باپ کے لیے صدقہ جاریہ ہوں ان پر کیوں نہ رشک کیا جائے، اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے، ان کی آنے والی ساری منزلیں آسان فرمائے۔

لورہ ضلع ایبٹ آباد میں ہم دونوں بھائی ایک عرصہ تک جمعہ کا خطبہ دیتے رہے، وہاں بھی ہم اطلاع نہیں دے سکے، چونکہ ہم والد صاحب کی روح نکلنے کے بعد ان کی تجہیز وتکفین میں مصروف ہو گئے، فیس بک پر ہم نے مختصر سا پیغام چھوڑا، مگر جمعہ کا وقت ہونے کی وجہ سے کسی نے دیکھا کسی نے نہیں دیکھا، لورہ سے بھی مفتی نادر خان صاحب، مفتی ندیم صاحب، مفتی غلام اللہ صاحب کے ہمراہ علماء کرام کی ایک جماعت تعزیت کے لیے آئی، پھر چکری کی سب سے بڑی مسجد کے خطیب اعظم مولانا محمد سعد حنفی تشریف لائے، ترنول اسلام آباد سے پیر بابر خان صاحب اور پاکستان مسلم لیگ کے جناب ارشد عباسی تشریف لائے۔

راولپنڈی میں جتنے دن ہمارا قیام رہا اتنے دن ہمارے رشتہ داروں نے رشتہ داری کا حق ادا کر دیا، میں اس موقع پر برادرم ابرار حسین صاحب، بھائی فیصل عباسی، بھائی طارق عثمان عباسی، بھائی اسد عباسی، بھائی ارشد اقبال عباسی اور ان کی فیملیز کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر ہمارے اباجان کی تیمارداری کی، ہمارا خیال رکھا، اللہ سب کو اپنی شایان شان عطا فرمائے اور جزائے خیر دے۔آمین

شکر گزار ہوں مولانا عبدالواحد صاحب کا جنہوں نے اس دوران خیال رکھا۔

خادم اسلام

محمود الرشید حدوٹی عباسی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۱۵اکتوبر ۲۰۱۹ء ۱۵ صفرالمظفر ۱۴۴۱ھ ساڑھے نو بجے رات

انسانی
جزااور سزا کا قانون

سوال اللہ تعالیٰ نے جب سے انسان کو زمین پر اتارا تب سے اس کی جزااور سزا کا قانون لاگو کیا اس کے بارے میں کوئی دلیل ؟

جواب قرآن حکیم میں اس کی دلیل یوں بیان کی گئی ہے

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعاً فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلا هُمْ يَحْزَنُونَ (٣٨) وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُوْلَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (٣٩) البقرة

ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو میری ہدایت پر چلیں گے ان پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی دوزخی ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سری لنکا کے پہاڑ سرندیپ پر اتارا، سیوطی کہتے ہیں ارض ہند میں نودنامی پہاڑ پر اترے، حضرت حواء کو جدہ میں اتارا، شیطان کو ابلہ نامی جگہ پر اتارا، سانپ کو نصیبین، اصفہان یا سجستان میں اتارا۔(آلوسی ا ص ۲۳۸)آدم علیہ السلام جب جنت سے نکلے تو ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت تھا۔







سانپ کو کیا سزا ملی؟

شیطان نے تمام جانوروں سے بات کی کہ وہ جنت میں جاکرآدم کو بھٹکانا چاہتا ہے، کسی نے اس کی بات نہیں مانی، سانپ سے بات کی تو سانپ نے اسے جنت میں پہنچانے کی حامی بھری، اس کے منہ میں داخل ہو کر جنت کے فرشتوں کی لاعلمی میں جنت میں داخل ہوا، سانپ اونٹ کی طرح خوبصورت جانور تھا، اس کے چار پائے تھے، مگراس نازیبا حرکت کی وجہ سے اللہ نے اسے یہ سزا دی کہ اس کو چاروں پاؤں سے محروم کر دیااور پیٹ کے بل چلنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو کیا سزا ملی؟

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کے ساتھ یہ ہوا کہ ان پر جو جنتی لباس تھا وہ اتر گیا، انہوں نے اپنی شرم گاہیں چھپانے کے لیے جنتی درخت انجیر کے پتے اپنی شرم گاہوں پر چپکانے شروع کر دیے، حیاء کے مارے جنت میں ادھر ادھر گھومنے لگے۔

جنت میں رہتے ہوئے مزیدار کھانوں سے لطف اندوز ہوتے تھے، زمین میں اتار دیے گئے تومزیدار کھانوں سے محروم ہوگئے، پھرآدم علیہ السلام کولوہابنانے کا طریقہ بتلایا گیا، کھیتی باڑی کرنے کا حکم دیا گیا، پھر کھیتی باڑی کرتے تھے، زراعت کرتے تھے، کھیتی کو پانی لگاتے تھے، جب وہ بڑی ہو جاتی تواسے کاٹتے تھے، پھراسے گاہتے تھے، پھر بیج الگ کرتے تھے، پھراسے پیستے تھے، پھر اسے آٹابناتے تھے، پھراس کی روٹی بناتے تھے، پھراسے کھاتے تھے۔

جس پہاڑی پرانہیں اتارا گیا اس پر کھڑے ہوتے توپاؤں زمین پر ہوتے اور سرآسمان سے ٹکراتا تھا، جس سے وہ فرشتوں کی گفتگو سنتے اور جنت کی خوشبو

سونگھتے تھے، پھر ان کا قد ساٹھ ہاتھ کر دیا گیا، جو تادم آخر رہا، اللہ سے عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! میں جنت میں تیرا پڑوسی تھا، تیرے سوا میرا کوئی رب نہیں، میں جنت میں جہاں چاہتا وہاں رہتا تھا، میں جنت سے مزیدار چیزیں کھاتا تھا، تو نے مجھے اس مقدس پہاڑ پر اتارا تو میں فرشتوں کی گفتگو سنتا تھا، جنت کی خوشبو سونگھتا تھا، پھر تو نے مجھے ساٹھ ہاتھ کر دیا، تو وہ گفتگو سننے کا سلسلہ ختم ہو گیا، جنت کی خوشبو آنا بند ہو گئی، اللہ نے فرمایا:

لِمَعصِيَتَكَ يَا آدَمُ فَعَلتُ ذَلِكَ بِكَ(تفسیردرمنثورج۱)

تیری نافرمانی کی وجہ سے میں نے تیرے ساتھ ایسا کیا ہے۔

آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنے پر رونا

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر در منثور میں حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے پر رونے کی منظر کشی یوں کرتے ہیں

وَكَانَ آدم حِين أُهبِطَ مِنَ الْجَنَّةِ بَكَى بُكَاءً لَم يَبكِه أَحدٌ فَلَو وُضِعَ بُكَاءُ دَاوُدَ عَلَى خَطيئَتِهِ وَبُكَاءُ يَعْقُوبَ عَلَى ابْنِهِ وَبُكَاءُ ابْنِ آدَمَ عَلَى أَخِيهِ حِينَ قَتَلَهُ ثُمَّ بُكَاءُ أَهل الأَرْضِ مَا عَدلُ بِبُكَاءِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِينَ أُهبِطَ(تفسیردرمنثورج۱ص۱۳۱)

حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے نکالے گئے تھے تو وہ اس قدر روئے کہ ان جیسا کوئی نہ رویا، داؤد علیہ السلام کا گریہ، یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹے پر رونا، ابن آدم کا اپنے بھائی کو قتل کرنے کے بعد رونا، زمین والوں کا رونا اگر ان کی خطاء پر رکھ دیا جاتا تو آدم علیہ السلام کے رونے کے برابر نہیں ہو سکتا، جب آپ کو زمین پر اتارا گیا تھا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

إِن آدم كَانَ رجلا طوَالًا كَأَنَّهُ نَخْلَة سحوق سِتِّينَ ذِرَاعا كثير شعر

الرَّأْس،فَلَمَّا ركب الْخَطِيئَة بَدَت لَهُ عَوْرَته وَكَانَ لَا يَرَاهَا قبل ذَلِك فَانْطَلق هَارِبا فِي الْجنَّة فتعلقت بِهِ شَجَرَة فَأخذت بناصيته فَقَالَ لَهَا: أرسليني قَالَ: لست بمرسلتك وناداه ربه: يَا آدم أمني تفر قَالَ: يَا رب إِنِّي استحييتك قَالَ: يَا آدم اخْرُج من جواري فبعزتي لَا أساكن من عَصَانِي وَلَو خلقت ملْء الأَرْض مثلك خلقا ثمَّ عصوني لاسكنتهم دَار العاصين،قَالَ: أَرَأَيْت إِن أَنا تبت وَرجعت أتتوب عليَّ قَالَ: نعم يَا آدم (درمنثورج۱)

حضرت آدم علیہ السلام کھجور کے درخت کی طرح لمبے قد کے تھے، ساٹھ ہاتھ لمبے، سر کے بال گھنے تھے، جب خطاء کا صدور ہوا تو شرم گاہ کھل گئی تھی، اس سے پہلے وہ اپنی شرم گاہ کو نہیں دیکھ سکتے تھے، پھر جنت میں بھاگنے لگے، اسی دوران ایک درخت کے ساتھ اٹک گئے، جس نے ان کی پیشانی پکڑلی، آپ نے اسے کہا کہ مجھے چھوڑدے، اس نے کہا کہ میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا، اللہ نے آواز دی، اے آدم! کیاآپ مجھ سے بھاگتے ہیں؟ عرض کیا، اے میرے رب میں آپ سے حیاء کرتاہوں، فرمایا: اے آدم! میرے پڑوس سے نکل جایئے، مجھے اپنی عزت کی قسم! میں کسی اپنے نافرمان کو نہیں ٹھہراؤں گا، اگر میں تیرے جیسی مخلوق کے ساتھ زمین بھردوں، پھر وہ میری نافرمانی کرے تو میں انہیں نافرمانی کرنے والوں کے گھر میں ٹھہراؤں گا، عرض کیا، اگر میں توبہ کرلوں اور رجوع کرلوں تو؟ کیاآپ میری توبہ قبول کریں گے، فرمایا: ہاں، اے آدم!

اس لغزش پر آدم علیہ السلام کو اس قدر ندامت اور شرمندگی تھی کہ چالیس سال تک آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدم نے اتنے آنسو بہائے کہ اگر ان کی ساری اولاد کے آنسو کا وزن کیا جائے تو آدم علیہ السلام کے آنسو اتنے زیادہ تھے کہ ان کا پلڑا جھک جائے۔







یہ مسئلہ شروع اسلام سے ہی اختلافی چلا آرہا ہے کہ آیا مردے سنتے ہیں یا کہ نہیں سنتے، اس پر علماء کرام نے متعدد علمی کتابیں لکھی ہیں، جن میں کسی نے مردوں کے سننے پر دلائل پیش کیے ہیں اور کسی نے دلائل کے ساتھ مردوں کے نہ سننے کی بات کی ہے، بہر حال یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، ہمیں اتنی بات پر عمل کرنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں قبرستان پر جانے کے جو آداب سکھائے ان میں ایک یہ ادب ہے کہ قبرستان میں مدفون لوگوں کو سلام کیا جائے۔اس سے زیادہ کے ہم مکلف نہیں بنائے گئے ہیں، اس سے زیادہ کی بات کرنا اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرنا اور اپنی صلاحیتوں کو برباد کرنا ہے۔

پھر اس روایت میں فرمایا گیا کہ میری آرزو ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں، اس سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ نیکی کے کام اور نیکوکاروں سے ملاقات کی تمنا اور آرزو رکھنا جائز ہے، اس سے مقصود یہ خواہش ہے کہ ہم اپنے برادران اسلامی کو دنیا کی زندگانی میں دیکھ پاتے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس سے مراد موت کے بعد ملاقات کی تمنا کی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے سوال کرنے پر فرمایا کہ تم لوگ میرے صحابی ہو، صحابہ کرام کو ایسا جواب دینے سے یہ بات ہر گز ثابت نہیں ہوتی کہ صحابہ بھائی نہیں تھے بلکہ یہ بات بتائی جارہی ہے کہ معیت نبوی اور صحبت نبوی کا شرف عظیم مقام رکھتا ہے، صحابہ تو آفتاب رسالت کے درخشاں ستارے تھے، صحابہ تو آپ ﷺ کے رفیق اور بھائی تھے ہی، آپ ﷺ نے فضیلت میں بعد میں آنے

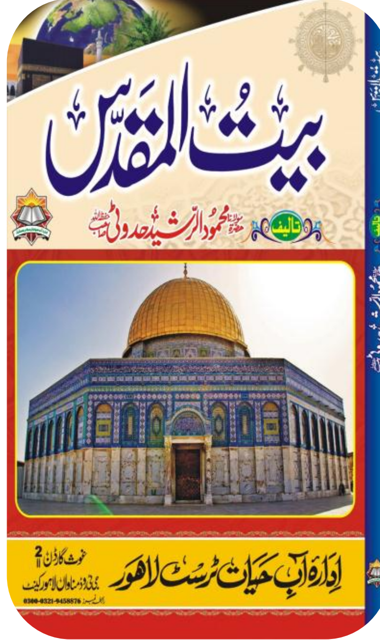
والے مسلمانوں کو شامل فرمایا، کہ بعد میں آنے والے بھائی ہیں، انہیں مرتبہ صحابیت نہیں مل پایا، قرآن کریم میں تو تمام اہل ایمان کو بھائی بھائی قرار دیا گیا ہے۔

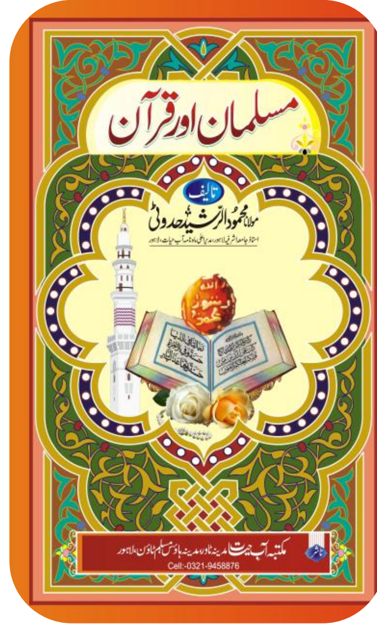
حدیث شریف میں الغرہ اور التحجیل دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، غرہ عربی زبان میں گھوڑے کی پیشانی پر سفیدی کو کہا جاتا ہے، جب کہ تحجیل گھوڑے کی ٹانگوں میں سفیدی کو کہا جاتا ہے، ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ وضو امت محمدیہ کا امتیازی نشان ہے، اس کے باعث اللہ نے اس امت کی شان اور فضیلت کو بڑھایا ہے، یہی اعضاء جنہیں دنیا میں دھونے کا حکم دیا گیا ہے بروز محشر چمکیں گے تو امت محمدیہ کے نمازی پہچانے جائیں گے، اللہ ان پر فخر کریں گے، رسول کریم ﷺ ان پر فخر کریں گے

جہاں امت محمدیہ کے لوگ چمکتی پیشانیوں کے ساتھ دربار میں حاضر ہوں گے وہاں کچھ حرماں نصیب اور سعادت سے محروم لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں حوض کوثر سے دھتکارا اور دھکیلا جائے گا، یہ منافقین اور اہل بدعت ہوں گے جو نبی کریم ﷺ کا نام تو لیتے تھے مگر نبی کریم ﷺ کی باتوں پر یقین کرنے کی بجائے دین میں اپنی طرف سے من پسند باتیں شامل کر کے انہیں دین بتاتے تھے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کے زمانہ مبارک میں مسلمان تو ہو گئے تھے مگر آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو گئے تھے، ان کے ہاتھ پاؤں پر اگرچہ وضو کے نشانات نہ ہوں گے مگر آپ ﷺ ذاتی طور پر انہیں چونکہ جانتے تھے اس لیے وہاں پہچان لیں گے، پھر آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے بتایا جائے گا کہ انہوں نے تو آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد دین اسلام کو خیر آباد کہہ دیا تھا، یہ مرتد ہو گئے تھے۔

شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے مراد وہ گناہ گار لوگ ہوں

گے جنہوں نے بڑے بڑے گناہ کیے ہوں گے، ان گناہوں کے باوجود وہ لوگ عقیدہ توحید پر مرے ہوں گے، اور اس سے مراد وہ اہل بدعت ہوں گے جو بدعات کی وجہ سے خارج از اسلام نہیں، اس لیے وہ قطعی جہنمی تو نہیں ہوں گے ہاں ان کی سزا بڑھادی جائے گی، پھر رب ارحم الراحمین ان پر رحم فرمائے گا اور انہیں جنت میں بغیر عذاب کے داخل فرمائے گا۔ اس قول کی روشنی میں اہل بدعت کے لیے کچھ گنجائش نکلتی ہے مگر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی واضح حدیث میں ہر بدعت کو گمراہی فرمایا گیا ہے، اور ہر گمراہی کا انجام جہنم بتلایا گیا ہے، اس لیے ہمیشہ بدعات و خرافات سے بچ کر اللہ اور رسول اللہ کی تعلیمات کو حرز جان بنانا چاہیے۔







رضی الاسلام ندوی

گود لینے کا شرعی حکم

سوال ایک مسلم جوڑا، جس کی شادی کو سات آٹھ برس ہو گئے ہیں، اب تک اس کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے۔ وہ کسی بچہ کو گود لینا((adoption چاہتے ہیں۔ کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں؟

جواب کسی جوڑے کی شادی کو ایک برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہو، لیکن اس کے یہاں اولاد نہ ہوئی ہو تو اسے ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے۔ بسا اوقات مرد یا عورت میں کوئی معمولی نقص ہوتا ہے، جو علاج سے دور ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی جوڑا اولاد سے محروم ہو اور وہ کسی رشتے دار یا اجنبی بچے کو گود لینا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ شریعت میں اس کی اجازت ہے، البتہ وہ حقیقی اولاد کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا اور گود لینے والا اس کی ولدیت میں اپنا نام نہیں لکھ سکتا۔ قرآن مجید میں صراحت سے ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كُمْ أَبْنَاء كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِيْ السَّبِيْلَ- أُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَ هُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِيْ الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُم(الاحزاب: ٤- ٥)

” اور نہ اس نے تمھارے منھ بولے بیٹوں کو تمھارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ تو وہ باتیں جو تم لوگ اپنے منھ سے نکال لیتے ہو، مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حق ہے اور وہی

صحیح طریقے کی طرف رہ نمائی کرتا ہے۔ منھ بولے بیٹوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پُکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے اور اگر تمھیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمھارے دینی بھائی اور رفیق ہیں''۔

عہد جاہلیت میں لوگ منھ بولے بیٹے کو حقیقی درجہ دیتے تھے، لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس بات کو حرام قرار دیا گیا کہ کوئی شخص اپنے حقیقی باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنا نسب منسوب کرے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ وَهوَ یَعْلَمُ اَنَّهُ غَیْرُ اَبِیْهِ **فَالْجَنَّةُ** عَلَیْهِ حَرَامٌ (بخاری: ٦٧٦٦، مسلم: ٦٣)

''جو شخص جان بوجھ کر اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے، اس پر جنت حرام ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت زید کی پرورش کی تھی اور اپنے بیٹے کی طرح انھیں پروان چڑھایا تھا۔ اسی لیے انھیں لوگ زید بن محمد کہنے لگے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انھیں ان کے باپ کی طرف منسوب کرکے زید بن حارثہ کہنے لگے۔ (بخاری: ۴۷۸۲، مسلم: ۲۴۲۵)

جس بچے کو گود لیا جائے اس پر وہی احکام نافذ ہوں گے جو اجنبی کے ہوتے ہیں۔ وہ بچہ گود لینے والے کا وارث نہیں ہو سکتا، ہاں گود لینے والا اس کے حق میں ایک تہائی مال تک کی وصیت کر سکتا ہے اور اپنی زندگی میں جتنا چاہے ہبہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح نکاح اور وراثت کے مسائل میں اسے 'اجنبی' سمجھتے ہوئے معاملہ کیا جائے گا، حقیقی اولاد کی حیثیت نہیں دی جائے گی۔



ڈاکٹر سید محی الدین علوی

دین کی بنیاد پر خاندان کے افراد متحد ہوتے ہیں ایک کلمہ توحید انہیں متحد کرتا ہے یہ کلمہ عظمت والا ہے نبی کریم ﷺ نے اہل قریش سے کہا تھا تم یہ ایک کلمہ پڑھ لو عرب تمہارے تابع ہو گا اور عجم تمہارے زیر نگیں ہو گا یہ ایک کلمہ خاندان والوں کو جوڑ دے گا اور شیر و شکر بنادے گا کسی بات کے ماننے کے لیے یہ کافی ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس کا حکم دیا ہے اور کسی بات کے رد کرنے کے لیے یہی کافی ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس سے منع کیا ہے

چنانچہ خاندان والے ایک دوسرے کے مددگار اور غمگسار ہوتے ہیں خاندان میں کوئی مسئلہ درپیش ہو اس کو یہ مل جل کر حل کرتے ہیں۔ لڑکی کی شادی ہو یا لڑکے کی تعلیم کا معاملہ ہو یا تلاش معاش یا کچھ اور۔ یہی اتحاد انہیں معاشی لحاظ سے مستحکم کرتا ہے خاندان کی فلاح و بہبود کے لیے یہ اسکیمیں چلا سکتے ہیں ان کے اطراف جو نادار و پریشان حال ہیں ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ ایک مستقل فنڈ قائم کر کے انہیں قرضوں کی پریشانی یا سود کی لعنت سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں اس طرح اہل خاندان کا اتحاد خاندان کے لیے ہی نہیں بلکہ مسلم معاشرہ کے لیے رحمت بن جاتا ہے۔

گفتگو کے آداب: لازم ہے کہ گفتگو میں شیرینی اور مٹھاس ہو۔ غیر ضروری گفتگو اور طول بیانی سے احتراز کریں، اللہ کے رسول کا اسوہ ہمیں اس کی تعلیم دیتا ہے۔ آپ ﷺ شیریں گفتگو فرماتے اور کلام مختصر ہوتا۔ اسی لیے آپ کو جوامع الکلم کا لقب دیا گیا تھا قرآن مجید میں بھی اس کی تعلیم دی گئی ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

اور لوگوں سے میٹھی زبان سے بات کرو (البقرہ:83)

تلخ کلامی اور طنز و تعریض سے دل پھٹ جاتے ہیں تلوار کا گھاؤ مٹ سکتا ہے لیکن زبان کا زخم نہیں مٹ سکتا۔ یاد رکھیے جس سے تلخ کلامی کی ہو اس سے معافی مانگیں اور بارگاہ الٰہی میں توبہ کریں گفتگو میں چغلی نہ ہو اور غیبت سے بچا جائے سورہ حجرات میں اس کی تعلیم دی گئی ہے غیبت سے روزہ دار کا روزہ مکروہ ہو جاتا ہے نبی کریم ﷺ کے زمانے کا واقعہ ہے دو عورتوں کے بارے میں حضور سے شکایت کی گئی کہ وہ روزے سے ہیں لیکن بڑی بے چینی محسوس کر رہی ہیں اور سخت تکلیف میں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو طلب کیا اور ایک لگن میں قے کرنے کو کہا تو لگن میں خون کے ٹکڑے پائے گئے۔ اللہ کے رسول نے کہا کہ ان عورتوں نے روزہ تو رکھا لیکن روزہ کی حالت میں انہوں نے کسی کی غیبت کی تو کسی کی چغلی کی جس کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی ہے۔

باہمی احترام: خاندان کے افراد ایک دوسرے کا احترام کریں اور قدر کریں کسی کو نیچا ور گراہوانہ سمجھیں اللہ کے رسول کا اسوہ ہمیں اس کی تعلیم دیتا ہے۔ غزوہ حنین کے بعد وہ خاتون آئیں جنہوں نے شیر خوارگی میں حضور ﷺ کو دودھ پلایا تھا ان کا نام حلیمہ سعدیہ تھا حضور انور ﷺ ان کے استقبال میں کھڑے ہوئے اور ان کے لیے ایک چادر بچھائی اور انہیں اس چادر پر بیٹھنے کے لیے کہا حدیث ہے:

''جو شخص بڑوں کا احترام نہ کرے اور بچوں پر شفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے''

اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے سامنے دوسروں کی تعریف نہ کریں، نہ اپنے بچوں کی ناقدری کریں۔ خدانخواستہ اگر امتحان میں فیل ہو جائیں تو دلاسا دیں اور یہی کہیں:

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں

کوئی بات نہیں آئندہ تم اچھے نمبروں سے کامیاب ہو جاؤ گے ان شاءاللہ۔

ایک دوسرے کے لیے اچھا گمان رکھنا چاہیے اور بد گمانی سے بچنا چاہیے

اسلامی ماحول: گھر کا ماحول صاف ستھرا اور پاکیزہ ہونا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو یا تصاویر ہوں اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ گھر میں اگر ٹی وی ہو تو لغو اور لچر پروگرام نہ دیکھیں بلکہ درس قران اور واقعات صحابہ سے استفادہ کیا جائے۔ اپنے ٹی وی کو بھی مسلمان بنائیں اور اپنے موبایل کو بھی۔ بچے صبح بیدار ہوں تو سو کر اٹھنے کی دعا پڑھیں اور بڑوں کو سلام کریں۔ ایک ماں کو چاہیے کہ بچوں کو یہ کہتے ہوئے نہ سلائیں کہ بیٹے کل صبح جلد اسکول جانا ہے بلکہ یہ کہیں کہ جلد سو جاؤ کیونکہ صبح فجر کی نماز پڑھنی ہے۔ ہمارے گھر قرآن کی تلاوت سے معمور ہوں۔ معلوم ہو کہ یہ مسلمانوں کا گھر ہے۔ قران و حدیث اور سیرت کے لٹریچر سے ہمارے گھروں کو سجایا جائے۔

تعاون: بعض لوگ ضدی ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بڑے اصول پرست ہیں۔ یہ غلط قسم کی توجیہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک صاحب نے نماز پڑھائی تو انہوں نے نماز میں طویل قرأت کی۔ ایک صحابی ان کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نماز توڑ دی اور گھر چلے گئے۔ غالباً یہ عشا کی نماز تھی اور وہ صحابی اپنے کام سے تھکے ماندے نماز میں شریک ہوئے تھے۔ اللہ کے رسول سے ان صحابی نے امام صاحب کی شکایت کی کہ میں کھیتی باڑی کا کام کر کے تھکا ماندہ نماز میں شریک ہوا تو فلاں صاحب نے نماز کو طویل کر دیا۔ میں ان کے پیچھے قیام نہیں کر سکا، اس لیے نماز توڑ کر نکل گیا۔ یہ سن کر اللہ کے رسول نے امام صاحب کو طلب کیا اور سخت خفا ہوئے، کہا کہ نماز مختصر پڑھانا چاہیے کیونکہ جماعت میں ضعیف بھی ہوتے ہیں، بچے بھی ہوتے ہیں اور محنت پیشہ لوگ بھی ہوتے ہیں تو چھوٹی سورتیں پڑھو۔

آنحضرت ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔ آپ جب نماز پڑھاتے اور بچوں کے رونے کی آواز آتی تو آپ نماز مختصر کر دیتے اور فرماتے کہ مجھے بچوں کے رونے پر ان کی ماں کا خیال آیا کہ وہ بے چین ہو گئی ہو گی اس لیے میں نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔

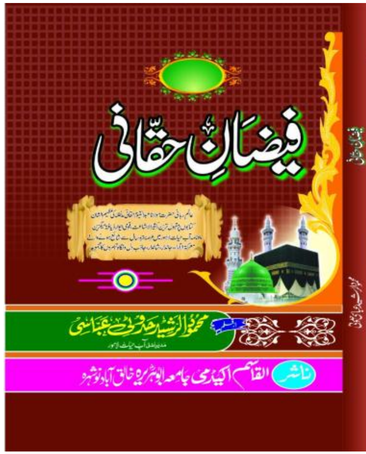
مثالی خاندان کے افراد ضدی نہیں ہوتے بلکہ اعتدال اور میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ میاں بیوی کفایت کریں گے اتنا ہی ان کی زندگی سکھی ہوگی، اس کے لیے بے جا خواہشات پر قدغن لگانی ہوگی۔ اس طرح کم اخراجات پر میاں بیوی کو سمجھوتہ کر لینا ہوگا، غیر ضروری چیزیں چھوڑ دینی ہوگی۔ باہمی سمجھوتہ میں ایک اہم کام یہ ہے کہ بیوی اپنے خسر اور ساس پر اپنے باپ اور ماں جیسی محبت نچھاور کرے، اسی طرح شوھر، بیوی کے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔

مثالی خاندان کی تو شان ہی نرالی ہوتی ہے۔ وہاں ہر وقت احکام خداوندی کی پابندی ہوتی ہے اور بار بار آیات قرآنی کا ذکر ہوتا ہے اور انہیں روز مرہ کے معاملات پر منطبق کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی مانگنے والا آئے تو اسے کچھ دے دیا جائے اور اگر کچھ نہ ہو تو اچھے طریقہ سے معذرت کر لی جائے لیکن جھڑ کا ہر گز نہ جائے۔

قرآن کی یہ آیت ہمارے سامنے رہے: "اور سائل کو نہ جھڑ کو (والضحی)

جو کام کریں خدا اور رسول کی ہدایات کے مطابق کریں۔ ہمارے گھروں میں مطالعہ قرآن وحدیث وسیرت کا نظم ہو۔ تاکہ ہمیں شعور حاصل ہو ہماری سعی وجہد اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے ہو۔ یہ سب امور جہاں انجام پائیں ایسا خاندان مثالی خاندان کہلائے گا





فیضان حقانی پر ماہنامہ

اَلبَلَاغ

کا بے لاگ ولاجَواب تبصرہ

نام کتاب۔ فیضان حقانی۔ رشحات قلم۔ مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب

ضخامت۔ ۱۶۲ صفحات، عمدہ طباعت، قیمت درج نہیں

ناشر۔ القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ کے پی کے

جناب مولانا محمود الرشید حدوٹی عباسی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور کے فاضل اور سابق استاذ ہیں، معروف عالم دین اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، تقریباً سترہ سال سے ماہنامہ آب حیات لاہور ان کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔

مولانا موصوف نقد و تبصرہ میں بھی اچھی صلاحیت رکھتے ہیں، آپ نے حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مد ظلہم کی تصنیفات پر بھی مفید تبصرے کیے ہیں، مذکورہ کتاب میں وہ تمام تبصرے حروف تہجی کی ترتیب سے شائع کر دیے گئے ہیں، دیگر علماء کی کتابوں پر کیے گئے چند تبصرے بھی کتاب میں شامل ہیں، شرح صحیح مسلم کی دس جلدوں اور مقدمہ شرح مسلم پر الگ الگ تبصرے بطور خاص قابل ذکر ہیں، کتاب کے آخر میں مولانا حدوٹی صاحب کی تصنیفات کی فہرست بھی دے دی گئی ہے، اردو کے اعتبار سے کتاب کا مواد عمدہ ہے، نقد و تبصرہ کی صلاحیت حاصل کرنے میں یہ کتاب بھی ان شاءاللہ بہترین معاون ثابت ہو گی۔ تبصرہ نگار۔ ابو معاذ



خالد زین

ایک عرصہ سے خواہش تھی کہ محترم میاں محمد افضل کے ساتھ تفریحی ٹور پر جایا جائے، آخر کار عید الاضحیٰ کے بعد ۱۷تا۱۹ اگست یعنی تین دن کا پروگرام بن گیا، مسجد اشاعت قرآن کی انتظامیہ کے دیگرے ممبران پر مشتمل وفد تشکیل دیا گیا۔

۱۷ اگست بروز ہفتہ بعد نماز فجر مسجد اشاعت قرآن الرحمان گارڈن سے ۷ سیٹر گاڑی کے ذریعہ سفر کا آغاز کیا، ہمارا پہلا سٹاپ گجرات میں افتخار احمد المعروف بابر بھائی کے بھائی سہیل صاحب کے ہاں ہوا، انہیں پہلے سے ہماری آمد کی اطلاع کر دی گئی تھی، اپنے گھر سے باہر بے تابی سے انتظار کر رہے تھے جیسے ہی ہماری گاڑی پہنچی سہیل بھائی نے مہمانوں کا پر تپاک انداز میں استقبال کیا اور ہمیں اپنے ساتھ گھر لے گئے بغیر انتظار کیے انہوں نے پر تکلف دستر خوان سجادیا، مختلف قسم کی ڈشیں اور ان کا پر خلوص پیار ایسا تھا کہ وہ ناشتہ ہمارا ڈنر بن گیا، ناشتہ کے بعد ہم نے اجازت لی اور اگلے سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔

جامعہ اشاعت اسلام میں آمد

چونکہ دوپہر کے کھانے کے لیے محترم میاں صاحب سے نیو مری ادارہ اشاعت اسلام کے مدیر اعلیٰ مولانا محمد سفارش عباسی صاحب کا طے ہوا تھا، لہذا ہم بوقت

ظہر ادارہ میں پہنچے تو مولانا سفارش صاحب، قاری جمیل اصغر توحیدی اور ان کے دیگر رفقاء ہمارے استقبال کے لیے جمع تھے، انہوں نے ہمیں ادارہ کے دفتر میں مدعو کیا، ہم تمام ساتھیوں نے پہلے نماز ظہر ادا کی، اتنی دیر میں کھانا لگ چکا تھا، ہم نے کھانا کھایا، مختصر تعارف ہوا، ادارہ کا وزٹ کیا اور ہم سب چیئر لفٹوں کی طرف سیر کے لیے چلے گئے، جب کہ میاں محمد افضل صاحب ادارہ کے ممبران کے ساتھ میٹنگ میں مصروف ہو گئے۔

ہم شام تک سیر کرتے رہے اسی دوران میاں صاحب نے مری کے گردونواح میں مساجد کی تعمیر اور ہینڈ پمپس کی تنصیب کے متعلق ساتھیوں سے رابطہ کر کے رپورٹ حاصل کر لی، رات ہم نے ادارہ اشاعت اسلام میں ہی قیام کیا، محترم سفارش عباسی نے ہماری تمام ضروریات کے لیے ادارہ کے منتظمین کی ڈیوٹی لگا دی تھی جو ہمیں گاہے بگاہے چائے وغیرہ سے تواضع کرتے رہے۔

ایوبیہ میں احباب سے ملاقات

۱۸ اگست کو صبح ادارہ میں ہمیں پر تکلف ناشتہ کروایا گیا اور ناشتہ کے بعد ہم ایوبیہ کی طرف نکل پڑے اور ایوبیہ پہنچ کر ہم سیر و تفریح کو چلے گئے اور میاں صاحب نے وہاں چند ساتھیوں کو ملاقات کے لیے جامع مسجد ایوبیہ میں بلایا اور وہاں وہ اپنی میٹنگ میں مصروف ہو گئے۔

حدوٹی ہاؤس آمد

نماز ظہر اور عصر کی ادائیگی کے بعد ہمیں حدوٹ میں پہنچنا تھا، وہاں مدیر اعلیٰ کے دیرینہ ساتھی جامعہ اشرفیہ کے معروف عالم دین اور مصنف کتب کثیرہ مولانا محمود الرشید حدوٹی حفظہ اللہ کے ہاں عصرانہ کا اہتمام تھا، ہم وہاں پہنچے تو مولانا کے بیٹے اسامہ محمود حدوٹی اور دیگر افراد ہمیں ویلکم کرنے کے لیے موجود تھے۔

وہ ہمیں اپنے ساتھ گھر تک لے کر گئے، گھر سے باہر محترم مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب اپنے مخصوص عربی طرز کے لباس میں استقبال کے لیے موجود تھے، مولانا حدوٹی صاحب کا پر خلوص استقبال اور ملاقات کا محبت بھرا انداز اپنی مثال آپ تھا۔

وہ ہمیں اپنے گھر لے گئے، پہاڑوں کے درمیان میں خوبصورت صاف ستھرا گھر اور گھر میں موجود لائبریری اپنی مثال آپ تھی، حدوٹی صاحب نے چند منٹوں میں دستر خوان سجادیا اور ہمیں کھانے کی دعوت دی، لیکن ہم دیکھتے ہی رہ گئے کہ ان پہاڑوں کے درمیان جہاں قرب وجوار میں کوئی ہوٹل تو درکنار معمولی دکان بھی نظر نہیں آتی تھی لیکن طرح طرح کے چٹ پٹے اور ذائقے دار ڈشیں اور مشروبات ایسے سجائے گئے تھے جیسے کسی فائیو اسٹار ہوٹل کا بوفے سسٹم ہو، ہم سب نے اللہ کی نعمتوں کو کھاتے ہوئے اللہ کے ساتھ ساتھ حدوٹی صاحب کے اخلاص بھرے تکلف پر دعائیں دیتے رہے اور ان کے بیٹے الرٹ کھڑے رہے جیسے ہی کوئی چیز کم ہوتی فوراً دوبارہ پیش کر دی جاتی۔

کھانے کے بعد حدوٹی صاحب نے اپنے گھر کے ساتھ لگے ذاتی باغ کے درختوں سے تازہ پھل اتار کر پیش کیا، لیکن کھانے کے بعد پھل کھانے کی ہمت جواب دے گئی تھی اور میزبان نے ایک پیٹی میں وہ پھل ہمیں ساتھ دے دیا، وہاں حدوٹی صاحب اور ان کے بیٹوں نے ہمیں گاڑی تک آکر الوداع کیا، حدوٹی صاحب کی اھلیہ اور ان کی بہو نے جس اخلاص اور سلیقہ سے کھانے تیار کیے تھے ہم تادیر ان سب کے لیے دعائیں کرتے رہے، حدوٹی صاحب سے رخصت لے کر ہم راولپنڈی آگئے، یوں ہمارا ملکہ کوہسار کا مختصر دورانیہ پر مشتمل یہ سفر مکمل ہوا۔



سہ ماہی الزیتون کی اشاعت خاص

ہمارے عہد کے عظیم قلم کار، مصنف، صاحب کتب کثیرہ، مفسر اور محدث مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی زیر سرپرستی شائع ہونے والے سہ ماہی الزیتون نے شرح صحیح مسلم نمبر شائع کیا ہے، شرح صحیح مسلم عصر حاضر میں اردو زبان میں زیور طباعت سے آراستہ ومزین ہونے والی معرکتہ الآراء کتاب ہے، جو مولانا حقانی ہی کے قلم حقیقت رقم سے لکھی گئی ہے، اس کتاب کی تاہنوز ۱۳ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں سے ہماری لائبریری میں اس کی دس جلدیں اہل ذوق وشوق کی تشنگی علم کو بجھا رہی ہے۔

الزیتون کا پیش نظر شمارہ بھی بکھرے موتیوں کی شیرازہ بندی کیے ہوئے ہے، اس میں راقم الحروف کے قلم سے تحریر کردہ مضامین سمیت ملک بھر کے اہل علم وعرفان کے رشحات قلم یکجا کیے گئے ہیں، ان میں اہل فن نے مولانا عبدالقیوم حقانی کی تحریر کردہ شرح مسلم کا ہر پہلو سے جائزہ لیا ہے۔

الزیتون کے اس مجلد شمارے کے سواچار سو صفحات ہیں، ان میں اہل علم وقلم کی تائیدی وتصویبی نگارشات ہیں، نثری اور منظوم کلام بھی اس کتاب میں موجود ہے، گویا کہ ملک بھر کے اہل علم وعرفان نے اس عبقری شخصیت کی شبانہ روز کی کاوش کو سراہا ہے اور تحسین کی ہے، اللہ زور قلم اور زیادہ کرے، یہ شمارہ ہر باذوق کے پاس ہونا لازمی ہے، ہر لائبریری کی زینت ہونا چاہیے، ظاہری اور معنوی خوبیوں سے مالامال ہے، اس ضخیم وعظیم نمبر پر قیمت درج نہیں مگر دیکھنے والے کی نگاہوں کو اپنی طرف مرکوز کر دیتا ہے، ایک بار ہاتھ لگائیں تو چھوڑنا کا جی نہیں چاہتا، عمدہ کاغذ، بہترین پرنٹنگ، دیدہ زیب سرورق، مضبوط جلد۔

ملنے کا پتا: القاسم اکیڈمی نوشہرہ کے پی کے 03013019928

مقالات عثمانی

مؤلفہ شیخ الاسلام تقی عثمانی

مترجم: یوسف حسین گجراتی

اہل علم و عرفان کے ہاں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کسی تعارف و مدح کے محتاج نہیں ہیں، انہیں اللہ نے پوری دنیا کے اہل علم کے ہاں ایک مرتبہ اور مقام عطا فرما رکھا ہے، پیش نظر کتاب ان کے عربی مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے، جن کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی سعادت ان کے مایہ ناز، محنتی اور جفاکش تلمیذ رشید جناب مولانا یوسف حسین گجراتی مدظلہ نے حاصل کی ہے۔

مولانا یوسف حسین گجراتی جامعہ دارالعلوم کراچی کے فاضل اور گلشن عثمانی کے خوشہ چین ہیں، اس سے پہلے بھی علمی سوغات اہل علم کی آغوش میں اور مطالعہ کی میز پر سجا چکے ہیں۔

مولانا گجراتی اقتضائے حال کے مطابق کام کرنے والے عالم ہیں، انہوں نے مقالات عثمانی میں مولانا تقی عثمانی کی نایاب اور محققانہ تحریریں اپنے کرم فرماؤں کی خدمت میں پیش کی ہیں، ابتدا میں ایک تعارفی مقدمہ بھی سپرد قلم فرمایا ہے، عقائد کے عنوان سے مولانا عثمانی کی تحریریں جمع کی ہیں، اصول تکفیر کے تحت ایک خط کا تفصیلی جواب بھی کتاب کی زینت ہے، مختلف کتابوں کا تعارف مولانا عثمانی کے قلم سے خاصے کی چیز ہے، مختلف موضوعات پر انتہائی قابل رشک مواد کتاب کا حصہ ہے۔ چھ سو سے زائد صفحات، آفسٹ کاغذ، بڑا سائز، قیمت درج نہیں ہے

ملنے کا پتا: مکتبہ دائرۃ المعارف، B.62 گلشن بلاک ۵ کراچی ۷۵۳۰۰

03242191944

انوار حق

مولانا انوار الحق حقانی صاحب

مرتب: سلمان الحق حقانی

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ جامعہ حقانیہ کے رئیس اور وفاق المدارس پاکستان کے مرکزی نائب صدر ہیں،ان کی دینی اور علمی خدمات کادورانیہ نصف صدی پر مشتمل ہے،ان کے شاگرداس وقت دنیاکے گوشے گوشے میں دینی علوم کی اشاعت وترویج میں مصروف کارہیں۔

ان کے علمی افادات سے استفادہ کرنے والے ہزاروں لوگ ہیں، پیش نظر کتاب انوار حق دوجلدوں پر مشتمل ہے، جس کے چار حصے ہیں،ان میں انتہائی درمیانے درجے کی مختصر مختصر تقاریر اور بیانات جمع کیے گئے ہیں، جو زندگی کے قریباً ہر پہلو کا احاطہ کرتے ہیں،ان خطبات، ارشادات اور بیانات میں شائقین علم کے لیے حاصل کرنے کی بہت سی علمی چیزیں موجود ہیں، یہ گویا خطبات کی دنیا کا ایک انوکھا اوراچھوتادائرۃ المعارف ہے،انسائیکلوپیڈیاآف خطبات اس کا نام رکھا جائے تو بے جا نہیں ہوگا، مولانا سلمان الحق حقانی قابل صد مبارکباد ہیں جنہوں نے شبانہ روز محنت کرکے اس عظیم علمی سرمایہ کو محفوظ کیاہے، خطبائے عصر کے لیے یہ بہت عمدہ ذخیرہ ہے، چھ چھ سو صفحات سے زائد یہ جلدیں ہر لائبریری کی زینت ہونی چاہئیں، ہر خطیب کے مطالعہ کی میز پر ہونا چاہئیں، پیش لفظ مولانا سمیع الحق شہید کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، مقدمہ قاضی زاہد الحسینی صاحب اور تعارف مولانا عبدالقیوم حقانی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جب کہ خود صاحب خطبات مولانا انوار الحق صاحب افتتاح سخن میں دریابکوزہ کردیاہے۔ **ملنے کاپتا:** القاسم اکیڈمی نوشہرہ کے پی کے


جمعیۃ تحفظ اسلام پاکستان کا ترجمان
ماہنامہ
لاہور
صدائے جمعیت

نومبر ۲۰۱۹ء



اف اللہ! کس قدر افسوسناک بات ہے کہ پاکستان کو بنے ستر سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، مگر یہاں انگریز کے غلاموں کا راج ہے، یہاں سے سفید چمڑی والا انگریز چلا گیا مگر کالی چمڑی والا انگریز ہمارے سروں پر مسلط ہے، ہماری نیک تمناؤں، نیک خواہشات، صالح چاہتوں کا روزانہ خون کیا جاتا ہے، ہماری مرضی کا حکمران نہیں آتا، ہماری مرضی کا کام نہیں ہوتا، ہماری سوچ کے مطابق انصاف نہیں ہوتا، یہاں جج بکاؤمال بن جاتے ہیں، یہاں وکیل مال وزر کے بل بوتے پر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اف اللہ! یہاں ہر چیز کے دام لگتے ہیں، اخلاق وضمیر کے سودا گر ابن الوقت بن جاتے ہیں، وقت آنے پر وہ اخلاقیات کا جنازہ نکال دیتے ہیں اور ضمیر کا سودا کر دیتے ہیں، یہاں جگہ جگہ میر جعفروں اور میر صادقوں کی نئی نئی شکلیں دستیاب ہیں جو کسی کرتوت سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔

اف اللہ! یہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا معاملہ ہے، یہاں فوجی وردیوں میں ملبوس حاضر سروس ملازمین پورا ملک کنٹرول کرتے ہیں، خفیہ والے نظر نہیں آتے مگر سب کچھ ان کے اشاروں پر چلتا ہے، اسلام آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے اپنے منصب جلیلہ کی قربانی دے دی مگر سچ طشت از بام کر کے رخصت ہوا اور کہا کہ ہم سے فیصلے کروائے جاتے ہیں۔

اف اللہ! یہاں نئے حکمران آئے، جو گلی کوچے میں ناچتے اور تھرکتے ہوئے نعرہ رستاخیز بلند کرتے تھے کہ ہماری آمد سے پاکستان میں دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں گی، مگر ایک سال کا عرصہ گزر چکا، یہاں روٹی، کپڑا اور مکان چھننے تک نوبت پہنچ چکی ہے، نوالہ اور نان جویں تک کو لوگ ترس رہے ہیں، مگر کوئی پرسان حال نہیں ہے۔

اف اللہ! مہنگائی کا طوفان برپا ہے، ہر چیز کی قیمتیں آسمان سے محو سخن ہیں، اشیائے ضرورت کا نرخ کسی دکاندار سے دریافت کرو تو زناٹے دار تھپڑ اپنے کو رسید کرنے کا جی چاہتا ہے، نرخ پوچھنے کے سوا قوت خرید کسی چیز کو خرید نہیں سکتی۔

اف اللہ! مسلط شدہ حکمران اپنی عیش و مستی میں مست و مگن ہیں، مسلط کرنے والے گویا تماشہ دیکھ رہے ہیں، انہیں شاید معلوم نہیں کہ ملک کس انارکی کی سمت بڑھ رہا ہے، یہاں ناانصافی اور بے اعتدالی کے باعث ہر شخص ایک دوسرے کا گریبان پکڑنے اور گلہ کاٹنے پر آیا ہوا ہے، مگر تماش بین تماش بنی میں مدہوش ہیں۔

اف اللہ! ملک میں رشوت ستانی کے نرخ کس طرح آسمانوں پر پہنچے ہیں، پہلے اگر کسی کو چائے پانی پر خوش کر لیا جاتا تھا، مگر اب رشوت بٹورنے سے پہلے کانوں کو ہاتھ لگایا جاتا ہے، رشوت دینے والے کے قدموں تلے سے زمین سرکائی جاتی ہے، پھر بعد ازاں اسے زہریلا کلنک لگایا جاتا ہے، پھر منہ مانگے دام وصولے جاتے ہیں۔

اف اللہ! یہاں بھوک اور قلاشی اس قدر عام ہو چکی ہے کہ لوگ گلی محلے میں چوریاں چکاریاں کرنے پر اتر آئے ہیں، پہلے کہیں کہیں چوری چکاری ہوتی تھی اب جگہ جگہ، شہر شہر، گاؤں گاؤں، بستی بستی چوروں کی براتیں شب و روز ڈکیتیوں میں مصروف ہیں اور نت نئے نئے انداز میں چوریوں کے طریقے متعارف کروائے جا رہے ہیں۔

اف اللہ ! یہاں قول وقرار، گفتار اور کردار کا کوئی حال نہیں رہا، بائیس کروڑ انسانوں پر مسلط کیے گئے حکمران ایک لمحہ اپنی زبان کی توپوں سے ایک گولہ داغتے ہیں تو اگلے ہی لمحے اس خطاکاری کا برسرعام اعلان کر کے پیچھے ہٹ جاتے ہیں، پہلے احمقانہ لفاظی اور شوخی دکھائی جاتی ہے پھر تھوک کر چاٹا اور نگلا جاتا ہے۔

اف اللہ ! ان شوخوں نے لاکھوں لوگوں کو نوکریوں کا جھانسا دیا، روزگار دینے کا تماشہ لگایا مگر چشم فلک نظارہ کر رہی ہے کہ یہاں اخباری صنعت سے ہزاروں لوگ بے روزگار کر دیے گئے، یہاں ملوں اور فیکٹریوں کی بندش سے ہزاروں بے کار ہو گئے، یہاں ٹیکسوں کے ظالمانہ بوجھ تلے انسانوں نے سسک سسک کر جان دی اور وہ خودکشیاں کرنے پر مجبور ہوئے۔

اف اللہ ! یہاں سیاست کے میدان میں کیچڑ اور گند بکھیر دیا گیا ہے، برسراقتدار حکمران برسرعام کہہ چکا کہ فلاں چور اور سب سے بڑا ڈاکو ہے مگر اس کی اشیر باد سے وہی ڈاکو اعظم منصب عظیم پر جلوہ افروز ہے، جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ میں اسے چپڑاسی رکھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں وہی سگ سرکار کا کردار ادا کرتے ہوئے ہر پگڑی والے کی دستار اچھالنے اور عزت پائمال کرنے اور شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار بننے کی بھونڈی کوششیں کر رہا ہے۔

اف اللہ ! یہاں عزت وناموس، حرمت وعزت بچانے کے بلند بانگ دعوے کیے جاتے تھے، مگر ناموس، حرمت، عزت اور قدر دانی کا جنازہ نکل چکا ہے، یہاں ناموس رسالت پر حملہ کرنے والوں کو عزت و حرمت مل گئی، یہاں گستاخان رسول کو باعزت برات کے پروانے عطا کیے گئے اور ان کے من پسند ممالک کے سپرد کیا گیا جب کہ عدالتوں سے اسے سزائے سنائی اور برقرار رکھی گئی تھی۔

اف اللہ! کیا ہی مطلب پرستی ہے، جو لوگ قافلہ اغیار کے راہی تھے انہیں چور اور ڈاکو، کرپٹ اور لٹیرا کہا جاتا تھا مگر جب یہی لوگ خلائی اور فضائی مخلوق کے اشاروں پر امنا وصد قنا کی گردان کرتے ہوئے، نعرے لگاتے ہوئے کوچہ یار میں پہنچے توسب کچھ دھل گیا، چوری کا لیبل اتر گیا، ڈاکو کا تمغہ اتر گیا، لٹیرا کی پہچان ختم ہو گئی۔

اف اللہ! یہاں من پسندوں کو نوازا جانے لگا، یہاں صاحب عصا وصاحب وردی کی آنکھ کا جو تارا بن جاتا ہے اس کو پروموٹ کیا جاتا ہے، اسے پھلنے پھولنے کا موقع دیا جاتا ہے، اس کی آوازیں برقی لہروں کے دوش پر اچھالی جاتی ہیں، جس کا چہرہ مہرہ، جس کی گفتار و کردار پسند نہ آئے اس کا گلا دبانے کی سازشیں کی جاتی ہیں، الیکٹرونک میڈیا کو دھمکا کر آوازیں بند کروائی جاتی ہیں۔

اف اللہ! اس ملک کا کیا ہوگا یہاں اشاروں پر انصاف تقسیم ہوتا ہے، یہاں ویٹساپ پر فیصلے بدلوائے اور جج ہٹائے جاتے ہیں، عدل وانصاف کے نام پر ظلم وستم کی چکی کے دونوں پاٹ گھمائے جاتے ہیں، انصاف وعدل کا خون کیا جاتا ہے، اس کی مثال واضح طور پر میڈیا میں سنی جاسکتی ہے، وہ جج جس نے وقت کے تین بار منتخب ہونے والے وزیر اعظم کو اقامے کی بنیاد پر سزا سنائی وہ بول پڑا کہ میں نے اپنے ضمیر کے خلاف فیصلہ دیا ہے بلکہ مجھ سے فیصلہ دلوایا گیا ہے۔

اف اللہ! یہ کیسا دور آگیا ہے، جس میں حکمران جھوٹ بولتے ہیں، جھوٹی باتیں کہتے ہیں، جھوٹے وعدے کرتے ہیں، لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے انہیں سبز باغ دکھاتے ہیں، مگر ذرا ہچکچاتے اور شرماتے نہیں ہیں، اپنی اس شرمناک حرکت پر ان کا ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتا، ایک سال سے وہ ایک بات کہتے اور مکر جاتے ہیں، ایک لمحے بات کرتے اور دوسرے لمحے اس پر تاویل کا نشتر چلادیتے ہیں۔

اے اللہ ! ہم لوگ بے بس، بے کس، بے سہارا، بے آسرا، بے مال ومتاع ہیں، ہمارے پاس زبان ہے جو تیری ودیعت کردہ نعمت ہے، ہمارے پاس دماغ ہے جو تیرا عطا کردہ ہے، ہمارے پاس قلم ہے جس کی حرمت وعزت پر ہم کوئی کمپرومائز نہیں کر سکتے، اس کی حرمت اور ناموس کی خاطر ہم سچ لکھتے اور سچ بولتے ہیں، اے اللہ ! اپنے پیارے حبیب نبی کریم ﷺ کے صدقے میں ہمارے قلم اور ہماری زبان کی حفاظت فرمانا، ہمیشہ حق لکھنے اور حق بولنے کی توفیق عطا فرمائے رکھنا۔

محمود الرشید حدوٹی عباسی

١٦اکتوبر ٢٠١٩ء ١٦صفر المظفر ١٤٤١ھ بروز بدھ ١٠ بجے شب



کیا اسلام اور مسلمان سے دشمنی صرف چند سال پہلے یعنی گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملے کے بعد کی پیداوار ہے، جسے میڈیا کے ذریعے جنگی و سیاسی مقاصد کے لیے دنیا بھر میں عام کیا گیا اور اب یہ نیوزی لینڈ میں پچاس مسلمانوں کے قتل عام کے بعد اس کی وزیر اعظم کے انسانی رویے سے ختم ہو جائے گی۔

کیا آسٹریلیا کی پارلیمنٹ میں ایک خاتون رکن نے دوسرے مسلمان دشمن رکن پارلیمنٹ کو سخت سنادیں اور اسے سوشل میڈیا پر پھیلا دیا گیا، اب اس سے امریکہ کے مغربی ساحلوں سے لے کر آسٹریلیا کے مشرقی ساحلوں تک دنیا میں بسنے والا ہر عیسائی، یہودی، ہندو یا سیکولر مسلمانوں کو اپنے جیسا انسان تصور کرنے لگ جائے گا۔ یہ معاملہ اگر اتنا سادہ ہوتا تو میڈیا اس ایک ماہ میں اس آگ کو ٹھنڈا کر چکا ہوتا۔

نیوزی لینڈ کی مساجد میں پچاس مسلمانوں کی شہادت یقیناً ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ لیکن دنیا کی نظروں میں یہ بڑا واقعہ اس وقت بنا جب اس ملک کی وزیر اعظم نے سر پر دوپٹہ اوڑھا، چہرے پر دکھ کے تاثرات سجائے اور پورے ملک میں ایک اجتماعی سوگ کا ماحول پیدا ہو گیا، حالانکہ اسی دن امریکہ، یورپ، بھارت اور اسرائیل کی افواج کے ہاتھوں لاتعداد مسلمان شہید ہوئے تھے جن کا تذکرہ تک نہ ہوا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس تمام عرصے میں قاتل کا خونخوار چہرہ، اس کا شدید تعصب اور

ان صحافیوں دانشوروں اور مصنفوں کی کتابوں کے سلسلے ایک لمحے کے لیے بھی میڈیا پر زیر بحث نہیں آئے جنہوں نے اس قاتل کو اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کی لوریاں دیں تھیں۔

اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح یہ خیالات برسائے گئے کہ اگر تم نے مسلمانوں کو اس روئے زمین سے ختم نہ کیا تو یہ ایک دن تمہیں نیست و نابود کر دیں گے، یہ نفرت صرف چند سالوں سے پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہی یہ چند سالوں کے میڈیا کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اس نفرت کے پیچھے کم از کم پانچ سو سال کی انتھک علمی و ادبی کاوشیں ہیں جو ایک متعصب اور جانبدار علمی ذخیرے کو وجود میں لے کر آئیں۔ یہ علمی ذخیرہ بظاہر اسلام کے بارے میں تحقیق و جستجو سے تخلیق کیا گیا، قرآن پاک کے تراجم ہوئے، احادیث اور تاریخ کی کتابوں سے مسلمانوں کی ایک متعصب اور تکلیف دہ حد تک جانبدار تاریخ مرتب کی گئی اور آج یہ تمام علمی ذخیرہ مغرب میں نئے پڑھنے والوں کے لئے رہنمائی کا واحد ذریعہ ہے۔

آج امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں اور لائبریریوں میں جو کتابیں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں ان میں منٹگمری واٹ کا "اسلامی انسائیکلوپیڈیا"، آر نکلسن کی "تاریخ ادبیاتِ عرب"، ڈاکٹر ہیٹی کی "تاریخِ عرب"، جوزف شافت کی "فقہہ اسلامی کے ابتدائی ماخذ"، گولڈ زہیر کی "اسلامی عقیدہ و شریعت" اور ڈبلیو سی اسمیتھ کی "اسلام اور جدید دنیا" جیسی کتب شامل ہیں۔ ول ڈیورانٹ جیسا شخص بھی جب تاریخِ انسانی مرتب کرتا ہے تو بارہ جلدوں میں سے

ایک مسلمانوں کے نام کرتا ہے جس کا عنوان ہے "our glorious East" ہمارا شاندار مشرق۔ ان تمام کتب اور ایسی لاتعداد دیگر کتابوں نے اسلام اور مسلمانوں کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں تین چیزیں نمایاں ہیں۔

ایک یہ کہ یہ لوگ انتہائی خونخوار شکلوں والے انسان ہیں جن کے ہاتھ میں تلوار ہے اور وہ جہاں جاتے ہیں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیتے ہیں، دوسری یہ کہ ان کے بہت بڑے بڑے حرم سرا ہوتے ہیں جن میں لاتعداد بیویاں اور کنیزیں ایک مرد کے تصرف میں ہوتی ہیں اور تیسری بات یہ کہ ان کے نزدیک اونٹ ایک مقدس جانور ہے جس کے بغیر مسلمان زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مغرب میں رہنے والے ایک طالب علم کے ذہن میں اس طرح کی کتب کے مطالعے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ انتہائی خونخوار، غیر مہذب اور انسانی جذبوں سے عاری مذہب کی ہے اور ویسی ہی مسلمان قوم کے بارے میں رائے وجود میں آتی ہے۔

یہ وہ علمی ورثہ ہے جو وہاں موجود ہر صحافی، دانشور، ادیب اور شاعر کو ملتا ہے اور وہ انہی ماخذوں کی بنیاد پر اپنی جدید تحقیق کا آغاز کرتا ہے۔ اس لیئے جب وہ کسی شہر میں مسلمانوں کی آبادی پر مضمون تحریر کرتا ہے ڈاکومنٹری بناتا ہے یا کسی ملک کے مسلمان تارکین وطن کے بارے میں کوئی کتاب تحریر کرتا ہے تو اس کا ذہن ان پانچ سو سالوں سے مسلسل لکھے جانے والے مواد اور لٹریچر سے پراگندہ ہو چکا ہوتا ہے۔

کوئی محقق، صحافی یا دانشور عربی، فارسی یا اردو میں لکھے گئے اصل مواد کی طرف رجوع نہیں کرتا کیونکہ یہ ایک محنت طلب کام ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اتنے بڑے

بڑے دانشوروں نے آج سے کئی صدیاں پہلے یہ کام کر دیا ہے اور اب ہمیں ایک نئی محنت کرنے اور اپنی توانائیاں ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن مغرب کا یہ نوجوان نہیں جانتا کہ ان تمام کتب کو پہلے دن سے عیسائی کلیسا نے اپنی زیر نگرانی ایک خاص مقصد کے تحت لکھوایا تھا جس کا آغاز قرآن پاک کے غلط ترجمے سے ہوا۔

لیکن اس ترجمے سے پہلے عربی میں بھی ایک قرآن پاک ۱۵۳۷ء میں الیگزینڈر پاگانینی نے شائع کیا جس میں ایسی لاتعداد غلطیاں کی گئیں تھیں کہ جن سے آیات کے معانی ہی بدل جاتے تھے۔ اس قرآن پاک کو جب خلافت عثمانیہ میں بھیجا گیا اور خلیفہ نے جب اسے استنبول کے علماء کو دکھایا تو وہ حیران رہ گئے اور اس قرآن پاک کے تلف کرنے کا حکم صادر کر دیا گیا۔

اس زمانے میں چھاپا خانہ ایجاد ہو چکا تھا لیکن ترکی کی خلافت عثمانیہ نے اس پر قرآن پاک، حدیث اور فقہ کی کتابوں کی چھپائی پر پابندی لگا دی جبکہ باقی تمام علوم کی کتب چھاپنے کی اجازت تھی۔ یہ احتیاط اس خوف سے کی گئی کہ کہیں اس کے ذریعے سے غلط قرآن پاک چھاپ کر مسلمانوں میں عام نہ کر دیا جائے۔

ان مغربی مؤرخین نے احادیث اور اسلامی تاریخ سے ایسے حصے منتخب کیے اور پھر ان کو مسلمانوں کی مقدس شخصیات کو مشکوک بنانے کے لئے استعمال کیا اور آج ان مغربی مصنفین کی تحریریں دنیا بھر میں ایک اتھارٹی کا درجہ رکھتی ہیں۔ کوئی پلٹ کر ان میں درج احادیث کے سچا یا جھوٹا ہونے کے بارے میں تحقیق نہیں کرتا اور نہ ہی ان تاریخی کتب کے اندر ایک مقصد سے ڈالی گئی جھوٹی کہانیوں کا پتہ چلاتا ہے۔ اس ساری خرافات کا آغاز ایک متعصب رومن مؤرخ تھیوفنس Theophanes)

the confessor) نے رسول اکرم ﷺ سے متعلق ایک گستاخانہ سوانح عمری لکھ کر کیا تھا۔ یہ شخص ۷۵۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی اس کتاب کو بعد کے مصنفین نے بنیادی ماخذوں کا درجہ دیا۔

یہی کتاب ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ ایک مرض میں مبتلا بتایا گیا تھا اور آج کے جدید دور کے طالب علم نفسیات کی کتابوں میں اسے تاریخ کے تصورات کے طور پر پڑھتے ہیں۔

اسی طرح اس شخص نے سیدہ خدیجہؓ و دیگر امہات المومنینؓ اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی زبان درازی کی ہے۔ اس شخص کی روایات ہی صدیوں تک بعد میں آنے والی کتابوں میں منتقل ہوتی رہیں۔

ایک ہزار سال سے لکھی گئی ان زہر آلود تحریروں کے سائے میں جو نسلیں کئی صدیوں میں یورپ میں جوان ہوئی ہیں وہ آسٹریلیا کی یونیورسٹی میں ہوں یا پاکستان کے انگلش میڈیم سکولوں کے "تقابل مذاہب" کا مضمون پڑھنے والے، سب کے سب اسلام سے صرف نفرت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس سے خوفزدہ بھی ہیں۔ ان کے دلوں میں موجود نفرت کو میڈیا ختم نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس میڈیا کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی مظلومیت دکھانا نہیں ہے بلکہ نیوزی لینڈ کی وزیراعظم جیسی شخصیات کا حسن سلوک دکھانا ہے۔

ورنہ اسی دن عراق، شام، افغانستان، غزہ، فلسطین اور کشمیر میں کئی مسلمان امریکی، یورپی، بھارتی اور اسرائیلی افواج کے ہاتھوں مارے گئے ہوں گے لیکن ان کے پاس کوئی وزیراعظم اسکارف لے کر نہیں گئی، اسی لیے وہ ایک خبر نہ بن سکے، خاموشی سے دفن کر دیے گئے۔

مقبوضہ کشمیر

ایوب ملک

آج مقبوضہ کشمیر میں جاری مظالم کو ڈھائی ماہ کا عرصہ ہو چلا ہے، تشویش کی بات یہ ہے کہ پوری دنیا کی خاموشی اور خاص طور پر مسلم ممالک کی خاموشی کشمیر میں ایک انسانی المیے کے طور پر دیکھی جا سکتی ہے لیکن اس سے بھی بڑی تشویش کی بات بھارت کا بدلتا ہوا سیاسی اور سماجی بیانیہ ہے جس سے نہ صرف سیکولرازم کا خاتمہ دکھائی دے رہا ہے بلکہ یہ پورا خطہ تہذیبی اقدار سے بھی محروم ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

یاد رہے کہ نوآبادیاتی طاقتوں کے آنے سے پہلے متحدہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ سورت کے شہر میں دو فسادات ضرور ہوئے تھے جن کی وجہ معاشی رقابت تھی مگر ان فسادات نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا لیکن اس وقت تک گنگا جمنا مشترکہ کلچر بہت مضبوط ہو چکا تھا اور یوں ان فسادات پر جلد ہی قابو پا لیا گیا۔

دراصل بھارت میں گنگا جمنا تہذیب کو سب سے بڑا جھٹکا اس وقت لگا جب ۱۸۱۳ء میں برطانوی ہاؤس آف کامنز نے عیسائی مشنری کو ہندوستان میں تبلیغ کرنے کی اجازت دی، جس سے ہندو اور مسلمانوں میں بھی مذہبی احساسات ابھرے۔ اب مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں ہندو مذہب کے ماتحت ایک قوم بنانا سیاسی

طور پر لازم ہو گیا تھا۔ ساور کر نے ''ہندوتوا'' کا نظریہ پیش کیا اور بھارتی مذاہب بدھ، جین اور سکھ ازم کو ہندو مذاہب قرار دیا کیونکہ یہ اس سرزمین کی پیداوار تھے مگر اسلام اور عیسائیت کو غیر بھارتی قرار دے کر ان کے خلاف مقابلے کا اعلان کیا۔

ساور کر دراصل ایک انڈین نیشنلسٹ تھا جس نے ۱۸۵۷ء میں ایک کتاب "The First War of Indian Independence" لکھی۔ انگریزوں نے اس کتاب پر پابندی لگا دی، ساور کر کو کالے پانی کی سزا دی گئی۔ وہاں سے واپسی کے بعد ساور کر ہندو انتہا پسند بن کر ابھرا۔ 1915ء سے 1920ء کے درمیان ہندو مہاسبھا، آریہ سماج اور آر ایس ایس جو ہندو سبھا کی فوجی شاخیں تھیں، میں اتحاد کی کوششیں تیز ہو گئیں لیکن اس گروہ نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی جدوجہد میں کوئی حصہ نہیں لیا جبکہ کانگریس نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی، جاگیر داری کا خاتمہ کیا، پسے ہوئے لوگوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کیا اور یوں سیکولرازم کی جڑیں سماج میں مضبوط کیں۔

آج اکیسویں صدی میں اس خطے میں امن پسندوں کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔ یورپی تاریخ میں بھی ایسے بہت سے ادوار آتے ہیں جب سماج میں بہت خونریزی ہوئی، جس میں ۱۶۱۸ء سے ۱۶۴۸ء تک تیس سالہ مذہبی جنگ اہم ہے، اس میں ساٹھ لاکھ سے زیادہ لوگ مارے گئے لیکن اس کے باوجود یورپ میں جمہوری ادارے طاقتور ہوئے اور سیکولرازم کی جڑیں مضبوط ہوئیں اور عام آدمی کے لیے ریاست اور عوام کے درمیان جتنا مضبوط رشتہ آج یورپ میں ہے ایسا کسی اور خطے میں دکھائی نہیں دیتا۔ اس کی اصل وجہ وہ اصلاحی تحریکیں تھیں جس میں دانشوروں، سائنسدانوں، شاعروں اور ادیبوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ آج ایشیا کے اس خطے کو دوبارہ گنگا جمنی اور

سیکولر تہذیب پر لانے کے امکانات کم نظر آتے ہیں۔ اس تاریخی مقام پر سول سوسائٹی اور دانشوروں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ انہیں بہانگ دہل اس فسطائی تحریک کے خلاف بند باندھنا ہوگا ورنہ یہ پورا خطہ نہ صرف اقتصادی طور پر بلکہ تہذیبی وتمدنی طور پر بھی گھپ اندھیروں میں چلا جائے گا۔

آج ایک طرف ۲ ماہ سے تقریباً ۸۰ لاکھ کشمیریوں کو آٹھ لاکھ فوجیوں نے پابند سلاسل کیا ہوا ہے تو دوسری طرف بھارت نے اپنی تجارتی منڈی اور سرمایہ کاری کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے کشمیریوں کی حق تلفی کرنے کا پورا ارادہ کرلیا ہے۔

معروف تاریخ دان ٹوئن بی نے کہا تھا کہ ہر معاشرے کو چیلنجز کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن جب تک وہ معاشرہ ان کا جواب دیتا رہتا ہے وہ زندہ رہتا ہے اور جب اس کی توانائی ختم ہو جاتی ہے اور وہ موثر جواب دینے کے قابل نہیں رہتا ہے، ایسے وہ معاشرہ مردہ ہو جاتا ہے۔

آج بھارت میں بھارتیہ جنتا پارٹی اپنے مذہبی عقائد کا جارحانہ انداز میں نفاذ چاہتی ہے، جس کے نتیجے میں پورے بھارت اور پاکستان میں نفرت کا یہ بیج ایک تناور درخت بن کر ابھرے گا جو بھارت و پاکستان کے ڈیڑھ ارب غریب عوام کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔

عمران خان نے اپنی تقریر میں جس طرح ایٹمی ہتھیاروں کی بات کی ہے یواین کے پلیٹ فارم پر اس طرح کی بات کبھی بھی نہیں ہونا چاہئے تھی کیونکہ بہرحال جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں۔آج دنیا میں ٹرمپ اور مودی کی مثالیں دی جارہی ہیں کہ ان دو بڑے جمہوری ممالک پر جنگجوؤں کا قبضہ ہو گیا ہے، جس سے یہ خدشہ پیدا ہو چلا ہے کہ کہیں پوری دنیا جنگی جنون کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ارون دھتی رائے نے اس

متعلق خوبصورت بات کی ہے کہ ٹرمپ ہر حال میں ایک فرد ہے اور وہ ایک فرد کے طور پر ابھرا ہے لیکن مودی ایک مکمل ادارہ ہے۔ جس نے پورے بھارتی معاشرے کو اپنے ہندوتوا اور فسطائیت کے نظریے کی لپیٹ میں لے لیا ہے اور اب بھارتی معاشرے کے لیے اس چنگل سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔

بھارت جسے آج ترقی کرنا چاہیئے تھی، لوگوں کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کرنا چاہیئے تھے ان حالات میں وہ اپنے لوگوں کی فلاح کی طرف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا پائے گا۔ ہندوتوا کے نظریے کو فروغ دے کر آپ دو تہائی اکثریت تو حاصل کر سکتے ہیں لیکن اکیسویں صدی میں بھارت کو امریکہ اور چین کے مقابلے میں اقتصادی طاقت نہیں بنا سکتے۔

ہاں البتہ آپ گاؤماتا اور رام مندر اور یوگا ڈے ضرور منا سکتے ہیں۔ آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے کا بھی اعلان کر سکتے ہیں لیکن امریکہ اور چین کے ساتھ اقتصادی مقابلے پر نہیں آسکتے اور نہ ہی ہر سال بارہ ملین نوجوانوں کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے جب نوجوان بیروزگار ہوں گے تو دہشت گردی میں اضافہ ہوگا اور جرائم کی شرح بڑھے گی۔ اس سے اس بھارت کی تعمیر تو نہیں ہو پائے گی جس کا خواب گاندھی اور نہرو نے دیکھا تھا، البتہ مودی کے فاشسٹ بھارت کی تعمیر ضرور ہو پائے گی۔





حضرت مولانا فضل الرحمن نے کہ حضرت مولانا مفتی محمود کے فرزندِ ارجمند اور سیاسی جانشین ہیں، وزیر اعظم عمران خان کی حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔ مولانا مفتی محمود مرحوم کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی حکومت کے خلاف تحریک کی قیادت کی تھی۔

پیپلز پارٹی اچھی بھلی حکومت کر رہی تھی کہ بھارت میں انتخابات کا اعلان ہو گیا۔ ایک خیال یہ ہے کہ بھٹو صاحب کی "عوامی حمیت" نے گوارانہ کیا کہ ان کی حریفِ اول تازہ مینڈیٹ لے کر ان کے سامنے آن کھڑی ہو، اور وہ پرانے مینڈیٹ سے دِل بہلاتے ہوئے پائے جائیں، یعنی ان کے مقابلے میں "رجعت پسند" قرار پائیں۔ اس لیے انہوں نے بھی انتخابات کا ڈول ڈال دیا۔

ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ پیپلز پارٹی میں مؤثر افراد اپنے "ہزاروں حامیوں" کے ساتھ دھڑا دھڑ پیپلز پارٹی میں شامل ہو رہے تھے (یا کرائے جا رہے تھے) اپوزیشن منتشر تھی، اور دو بڑے گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک جانب ایئر مارشل اصغر خان کی تحریک استقلال اور ان کے حامی مولانا نورانی میاں کی جمعیت العلمائے پاکستان تھی، جبکہ دوسری جانب مسلم لیگ (پگارا) جماعت اسلامی، نیپ کی جگہ لینے والی این ڈی پی، جمعیت العلمائے اسلام اور کئی دوسری جماعتیں تھی۔ ان دونوں میں معانقہ یا مصافحہ تو کیا، اشاروں کنایوں میں رابطہ تک نہیں تھا۔ بظاہر یہ ایک دوسرے

سے بیزار تھیں، اور لگتا تھا کہ انہیں آئندہ انتخابات کے دوران ہر حلقے سے موزوں امیدوار بھی نہیں مل سکیں گے کہ روایتی معتبرین جوق در جوق بھٹو صاحب کے "دستِ اقتدار" پر بیعت کرتے چلے جارہے تھے۔اس لیے فخر ایشیا کی چھٹی، ساتویں اور آٹھویں حس کہ ان کی حسوں کا کوئی شمار نہیں تھا، حرکت میں آئی اور اپوزیشن کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کرنے کے لیے ایک سال پہلے ہی انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔

دستور کے مطابق قومی اسمبلی کی مدت ۱۹۷۸ء میں پوری ہونی تھی، اور اسی کو انتخابی سال قرار دیا جارہا تھا لیکن وزیراعظم کے صوابدیدی اختیارات سے فائدہ اٹھا کر بھٹو صاحب نے اسمبلیوں کی مدت ایک سال کم کر کے ۱۹۷۷ء ہی میں اکھاڑے میں اترنے کا فیصلہ کر لیا۔ چاروں صوبوں پر ان کا جھنڈا لہرا رہا تھا، اس لیے صوبائی اسمبلیوں کی تحلیل کو روکنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔

یوں تازہ دو تہائی اکثریت حاصل کرنے کے زعم میں مبتلا "قائد عوام" نے آپ اپنے کو میدان میں لا اتارا۔اِدھر یہ ہو رہا تھا، اُدھر یہ ہوا کہ اپوزیشن کی ساری جماعتیں کرشماتی طور پر ایک ہو گئیں۔ اس اتحاد سے پہلے تحریک استقلال نے امیدواروں سے بذریعہ اخباری اشتہارات درخواستیں طلب کی تھیں، یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور انوکھا واقعہ تھا۔

نوابزادہ نصراللہ خان اپنی نجی مجلس میں اس پر کبھی مسکرایا اور کبھی قہقہے لگایا کرتے تھے کہ ان کے حریفِ اول ایئر مارشل اصغر خان نے یہ "بونگی" ماری تھی، جبکہ تحریک استقلال کے مداح اسے ایئر مارشل کی انفرادیت بتاتے تھے کہ یہاں ٹکٹیں روایتی امیدواروں کے لیے مخصوص نہیں ہیں۔ بہر حال انتخابی مشکلات کا ادراک ہوا تو اپوزیشن کی جماعتوں کو جان کے لالے پڑ گئے، انہیں یوں محسوس ہوا کہ

بھٹو اقتدار پر پانچ سال کے لیے پھر مسلط ہو جائے گا اور اپوزیشن کو جو تھوڑی بہت آکسیجن مل رہی ہے، اس میں بھی خلل ڈال دے گا۔

پیپلز پارٹی ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد متحدہ پاکستان میں عوامی لیگ کے بعد دوسری بڑی جماعت بن کر ابھری تھی، اسے شیخ مجیب الرحمن کو وزیر اعظم مان کر حزبِ اختلاف کی قیادت سنبھالنا پڑتی۔ پنجاب اور سندھ میں البتہ اس کی حکومتیں بن جاتیں۔ صوبہ سرحد (آج کا خیبر پختونخوا) میں نیپ بڑی جماعت تھی، اس کے ساتھ مسلم لیگ (قیوم خان) اور جمعیت العلمائے اسلام کا نام آتا تھا۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی دو جماعتیں مل کر صوبائی حکومت بنا سکتی تھیں۔

بلوچستان میں نیپ کے مقابلے میں کوئی طاقت کھڑی کرنا مشکل تھا، جمعیت العلمائے اسلام سے معاملہ ہو جاتا تو گیند اس کی کورٹ ہی میں نہیں جیب میں آجاتی۔ عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی میں دستور پر سمجھوتہ نہ ہو سکا، تو بھٹو صاحب نے جنرل یحییٰ کے پلڑے میں وزن ڈال دیا۔

فوجی کارروائی کے ذریعے ملک بچانے کا اعلان کر کے ملک ڈبونے کا سامان کر ڈالا، مشرقی پاکستان کو بھارت کی فوجی مداخلت نے بنگلہ دیش بنا دیا، تو بھٹو صاحب نئے پاکستان کے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بن کر سامنے آئے، اور پاکستانی معیشت کے ساتھ وہ کچھ کر گزرے، جو پہلے سیاست سے کر چکے تھے۔ نئے پاکستان کا آئین البتہ اتفاق رائے سے بنا لیا گیا۔

مسئلہ یہ تھا کہ ان کی اسمبلی اکثریت کو معاشرے میں ان کی افرادی اقلیت کا چیلنج درپیش تھا۔ پیپلز پارٹی کی مخالف جماعتوں کے ووٹ یک جا کیے جاتے تو وہ زیادہ بڑی طاقت بن جاتے تھے۔ الگ الگ رہتے تو پیپلز پارٹی مقابلتاً بڑی جماعت بن پاتی۔

۱۹۷۷ء کے انتخاب میں اپوزیشن جماعتوں نے اس نکتے کو پالیا اور پیپلز پارٹی کے مقابلے میں ہر نشست پر مشترکہ امیدوار کھڑا کرنے کا فیصلہ کر گزریں۔ بھٹو صاحب بھی کچی گولیاں نہیں کھیلے تھے، انہوں نے حالات سے نبٹنے کے لیے اپنی حکمت عملی تیار کر لی۔ سرکاری مشینری ان کے قبضے میں تھی، اور ان کی بلند و بالا شخصیت کے سامنے کسی کو درخور اعتنا سمجھنے پر تیار نہ تھی۔ افواجِ پاکستان بھی پشت پر تھیں۔

جنرل محمد ضیاء الحق جیسا تابع فرمان آرمی چیف میسر آچکا تھا، جو دل و جان سے ان پر فدا تھا، اور اپنی جان سے بڑھ کر ان کی جان کی بلائیں لینے اور سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ و تیار نظر آتا تھا۔

اپوزیشن جماعتوں کا نو رکنی اتحاد وجود میں آیا، تو ایئر مارشل اصغر خان کو اس کی قیادت نہ سونپی جا سکی۔ کہا جاتا ہے، خفیہ ہاتھوں نے مولانا مفتی محمود کے سر پر تاج رکھوا دیا کہ ذوالفقار علی بھٹو کے مقابل مولانا مفتی ہوں گے تو عالمی اور مقامی روشن خیالی بھٹو صاحب کے پیچھے صف بستہ ہو جائے گی۔

عوام کی بھاری تعداد پاکستان کو "مولوی" سے بچانے کے لیے متحرک کی جا سکے گی۔ کرنا خدا کا یہ ہوا کہ "ڈومور" نے پانسہ پلٹ دیا۔ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی نے (پہلی اور آخری بار) انتخابی صندوقچوں سے پیپلز پارٹی کے ۵۶ فیصد ووٹ برآمد کر ڈالے، اپوزیشن بمشکل تین درجن نشستیں حاصل کر پائی، ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کے اس مظاہرے نے انتخابی عمل کو مصنوعی ثابت کر دیا۔ اس کے بعد جو ہوا، وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ جنرل ضیاء الحق کو بالآخر وزیر اعظم کو "حفاظتی حصار" میں لینا پڑا۔ اس کے بعد ۱۱ سال تک جرنیلی نقارہ بجتا رہا۔ پی این اے تتر بتر ہو

گئی۔ ایئر مارشل اصغر خان ایک عرصہ نظر بند رہے۔ مولانا مفتی محمود اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پی این اے کے بچے کھچے رہنما "عمر میری تھی مگر اس کو بسر اُس نے کیا" کا راگ دھیمے سروں میں الاپتے رہے۔

بھٹو صاحب اِس دُنیا سے پہلے ہی روانہ کیے جا چکے تھے، پیپلز پارٹی پر جو گزری سو گزری، مخالف رہنماؤں کے خواب بھی ادھورے رہ گئے۔ بیٹے سے باپ تک کی کہانی ضروری نہیں کہ دہرائی جائے، نئے مناظر بھی دیکھنے کو مل سکتے ہیں، بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستانی سیاست میں بے نظیر بھٹو، نواز شریف، شہباز شریف، آصف علی زرداری اور الطاف حسین کے نعرے سنائی دینے لگے

"خوف" سے کس کو رُستگاری ہے

آج وہ کل ہماری باری ہے



محمود الرشید حدوٹی عباسی

پاکستانی وزیراعظم عمران خان نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پون گھنٹہ خطاب کیا، اخبارات لکھتے ہیں کہ اس قدر طویل ترین تقریر انہوں نے بغیر کسی پرچی اور چٹ کے فرمائی، انہوں نے یہود و نصاریٰ کے خلاف اپنے تئیں خوب خبر لی، اقوام عالم کو جھنجھوڑا، ان کی تقریر بظاہر بہت ہی دلکش تھی، ہوٹلوں اور ریستورانوں میں ٹی وی سکرین کے سامنے بیٹھے اور حالات عالم سے بے خبر جذباتی نوجوان بغلیں بجا رہے ہیں کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کے بعد دوسری تقریر کسی وزیراعظم نے ایسی کی جو تاریخی قرار دی جاسکتی ہے۔

مجھے اگر کہنے اور لکھنے دیا جائے تو میں عرض کروں کہ لیبیا کے مردآہن کرنل معمرالقذافی نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جو تقریر کی اس کا متبادل آج تک کوئی مائی کا لعل پیش نہیں کر سکا، مگر اس ولولہ انگیز شعلہ فشاں خطاب کے بعد کرنل معمر القذافی کے خوبصورت ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، قذافی کا وہ طول و طویل خیمہ اکھاڑ دیا گیا تھا جس میں وہ قیام پذیر تھا، جس میں وہ شاہوں اور ہمارے جیسے فقیروں سے بغل گیر ہوا تھا، قذافی کا دیس چوروں، لٹیروں، قزاقوں اور رہزنوں کے ہاتھ میں چلا گیا، آج کئی سال گزرنے کے باوجود لیبیا میں امن و شانتی قائم نہیں ہو سکی افراتفری اور انتشار تھمنے اور رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے تاریخی تقریر کی تھی مگر اس کا صلہ بھٹو کو کیا دیا گیا؟ جیل کی سلاخیں؟ ناکردہ جرم کی سزا اور وہ بھی پھانسی کا پھندا، بھٹو کے بیٹے کا قتل، بھٹو کی بیٹی کا قتل؟ یہ سب کچھ انہی جذباتی اور اشتعال انگیز تقریروں کا نتیجہ تھا کہ آمروں، ڈکٹیٹروں اور مطلق العنانوں نے ملک کے منتخب لیڈروں کو یا تو پھانسی کے پھندے پر چڑھوا دیا یا بموں کی نذر کروا دیا۔

وزیر اعظم کی تقریر کو چند روز تک بڑے فخریہ انداز میں سنا اور بیان کیا جاتا رہا، مگر اس اشتعال انگیز تقریر پر گہری نگاہ ڈالنے والے، زیرک اور کہنہ مشق سیاست دان حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب نے بڑی عقابی نگاہ سے تجزیہ کیا ہے، یہ تجزیہ ان کی وہ پریس کانفرنس ہے جو انہوں نے اپنے آبائی علاقہ ڈیرہ اسماعیل خان میں ۳۰ ستمبر ۲۰۱۹ کو کی تھی، ہم وزیر اعظم کی تقریر کو اس پریس کانفرنس کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمان صاحب نے فرمایا کہ عمران خان کی کشمیر کے حوالے سے تقریر کشمیر بیچنے کے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، امریکہ اور انڈیا دونوں اس راز سے واقف ہیں، اس تقریر سے پہلے اقوام متحدہ کی اسلامی حقوق کونسل میں قرارداد پیش کرنے کے انہیں سولہ ووٹ مہیا نہیں ہو سکے، اور اس تقریر کے بعد بھی اس کے پاس قرارداد پیش کرنے کے لیے سولہ ووٹ نہیں تھے، بنیادی بات یہ ہوتی ہے کہ اس سطح پر ریاست کی سطح پر کی جانے والی تقریر کے کچھ نتائج سامنے ہونے چاہییں، جب کہ ہوائی باتیں اور خلائی باتیں اس سے پہلے بھی بہت سے حکمران کر چکے ہیں، اور ہم اس زمانے میں بھی ان کی تقریروں پر بغلیں بجایا کرتے تھے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان میں ایک ذمہ دار ریاست کی نمائندگی کی گئی ہے؟ کیا اس تقریر کے بعد دنیا پاکستان کو ایک ذمہ دار ریاست کہنے کے لیے تیار ہے؟

جس طریقہ سے انہوں نے ایٹمی جنگ کی دھمکی دی ہے،ایٹمی جنگ کے امکانات کو ظاہر کیا ہے،اس کو یہ علم نہیں کہ تاریخ میں کبھی بھی پڑوسی ممالک ایٹمی جنگ کے متحمل نہیں رہے ہیں،اور نہ ہی اس کی کوئی مثال موجود ہے،پھر ایک معاہدہ ہوتا ہے،نیٹ فرسٹ یوز کا،این ایف یو کا،کیا آپ نے اس لب ولہجہ سے انڈیا کو یہ دلیل فراہم نہیں کی کہ پاکستان نے پہل کر دی ہے،اور اس معاہدے کو توڑ دیا ہے،اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ تقریر اور یو این کے فلور پر پاکستان کی ایٹمی صلاحیتوں اور اثاثوں کو غیر محفوظ بنانے کا سبب بنتا ہے۔

عالمی طاقتیں اس کا فائدہ اٹھائیں گی،پاکستان کی ایٹمی صلاحیت ختم کرنے کے لیے آپ پر دباؤ بڑھائیں گی،اور ہندوستان نے کہہ دیا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو نشانہ بنانے کا ہمارے پاس جواز موجود ہے،کیونکہ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو خود پرائم منسٹر نے خطرہ قرار دیا ہے،اس نے دنیا کے سامنے پاکستان کو ایک غیر ذمہ دارانہ ریاست کے طور پر پیش کیا ہے۔

پھر جب آپ دھمکیوں پر آتے ہیں،تو اس کا صاف صاف معنٰی یہ ہے کہ یہ آپ کی سفارتی ناکامی ہے،جب آپ سفارتی سطح پر ناکام ہو جاتے ہیں،دنیا میں آپ کی تمام سفارتی حکمت عملی ناکام ہو جاتی ہے تو پھر لوگ دھمکیوں پر آجاتے ہیں،اس لیے یہ ایک ناکام حکمت عملی کی علامت ہے،کہ آپ اپنے مؤقف کے لیے دنیا کی حمایت تو حاصل نہیں کر سکے،آپ کشمیر کے لیے دنیا کی حمایت حاصل نہیں کر سکے،آپ کشمیر کے اندر انسانی حقوق کے لیے دنیا کی حمایت حاصل نہیں کر سکے،تو اس صورت حال میں ایسی بات کرنا جس کی وجہ سے آنے والے وقت میں پاکستان مزید مشکلات میں گھر سکتا ہے تو یہ کون سی عقل کی بات ہے؟اور اس لیول پر؟اور اس سے پہلے

جب آپ کہہ چکے ہیں کہ القاعدہ کی تربیت پاکستانی فوج اور آئی ایس آئی نے کی ہے اس کے بعد یہ ایٹمی جنگ کی بات کرنا، آپ دنیا کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ آ بیل مجھے مار، اس کے علاوہ تو کوئی اس کی تعبیر نہیں کی جاسکتی، اسی سے ہماری رائے کو تقویت ملتی ہے، کہ عمران خان کو پاکستان پر بین الاقوامی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے مسلط کیا گیا ہے۔

جہاں تک مغرب میں اسلاموفوبیا کا مسئلہ انہوں نے اٹھایا ہے، تو پھر قول و عمل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے، بین الاقوامی فورم پر اس طرح کی بات کہنے سے آپ داد تو حاصل کر سکتے ہیں، یہ صالح لوگوں کے جذبات کی تسکین کے لیے ایسا کہا گیا، میرے مدنظر یہ بات نہیں ہے، میرے مدنظر مجموعی لحاظ سے پاکستان پر اس سے مرتب ہونے والے اثرات ہیں۔

آپ وہاں پر ناموس رسالت پر بات کرتے ہیں، اور پاکستان میں نبی کریم ﷺ کی گستاخی کا ارتکاب کرنے والی آسیہ ملعونہ کو رہا بھی کرتے ہیں اور عزت وآبرو کے ساتھ آپ انہیں اپنے ہی پسندیدہ ملک میں بھیجتے ہیں، آپ توہین رسالت کے مرتکب ایک قادیانی کو رہا بھی کرتے ہیں اور پھر پورے اعزاز کے ساتھ اسے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے دربار تک بھی پہنچاتے ہیں، اور حال ہی میں وجیہ الحسن جیسے توہین رسالت کے مرتکب کو بری کیا گیا ہے، پاکستان میں آپ توہین رسالت کا ارتکاب کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جب کہ باہر جا کر پاکستان کے مذہبی طبقے کے ایمانی جذبات کی تسکین کے لیے ایسی تقریر کر دیں

یاایھاالذین آمنولماتقولون مالاتفعلون کبرمقتا عنداللہ ان تقولوا ما لا تفعلون

اللہ کے ہاں سب سے بڑی ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ تم جس طرح کہتے ہو اس طرح کرتے نہیں ہو، وہاں کچھ کہا جارہا ہے اور پاکستان میں کچھ ہو رہا ہے، اس لیے ہمیں اس تقریر کے بعد پاکستان پر پڑنے والے اثرات کو سامنے رکھ کر رائے بنانی ہو گی، محض جذباتی باتیں کرنا یہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔

مولانا فضل الرحمان کے حقائق پر مبنی اس تجزیے کو کوئی رد نہیں کر سکتا، عمران خان عالمی سیاست کے حروف ابجد سے بھی آگاہ نہیں ہیں، وہ اتار چڑھاؤ نہیں جانتے، جب کہ عالمی سامراج انتہائی شاطر ہے، وہ ان جیسے لوگوں سے ہی اپنے مفادات کا کام لیتا ہے، اور عمران خان صاحب لگے ہوئے ہیں چاکری پر، ساتھ ساتھ وہ بتا بھی دیتے ہیں کہ یہ کام وہ کیوں کر رہے ہیں، اس کی مثال حال ہی میں سعودی عرب اور ایران کے مابین صلح کروانے کا مشن ہے، یہ کام عمران خان کے ذمہ کس نے لگایا؟ یہ کام امریکہ نے ان کے ذمہ لگایا، کیونکہ سعودیہ اور ایران کے مابین فی الحال لڑائی اور جنگ امریکہ کے مفاد میں بالکل نہیں ہے، وہ خلیج میں اپنی فوجیں پہلے بھی اتارے ہوئے ہے اور مزید اتارنا چاہتا ہے، وہ کسی صورت نہیں چاہتا ہے کہ ان دو حریف ممالک کے درمیان ہونے والی لڑائی میں اس کے فوجی کام آئیں، اس کا کام ہے عربوں کی دولت اور کالے سونے کو دونوں ہاتھوں سمیٹنا وہ سمیٹ رہا ہے، وہ سمندری راستوں سے تیل اپنے دیس میں پہنچا رہا ہے، ان کے درمیان مخاصمت سے مفادات پر سخت زد پڑ سکتی ہے، اس لیے چاکری کے لیے وزیر اعظم پاکستان صاحب کا کاندھا استعمال کیا جارہا ہے، جسے وہ اچھی طرح استعمال کروا رہے ہیں۔

جب کہ ادھر گھر میں عذاب اور بیرون میں ثواب کا کام کیا جارہا ہے، ادھر وزیر اعظم کی ناجائز اور بے وقوفانہ پالیسیوں نے ملک کو تباہ کر ڈالا ہے۔

محکمہ ڈاک تباہی کے دہانے پر

علیم احمد

* محکمہ ڈاک کی تباہی پر مراد سعید کا جشن *

پی ٹی آئی حکومت کا ہر وزیر اپنی تقریروں میں یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ موجودہ حکومت سے پہلے پاکستان کیلئے کسی نے کچھ نہیں سوچا تھا۔ آج سہ پہر کے وقت، جب معلوم ہوا کہ تین دن پہلے کراچی جی پی او سے کراچی ہی میں بذریعہ یو ایم ایس بھیجے گئے دو شمارے اب تک اپنی منزل تک پہنچ نہیں پائے ہیں، عین اسی وقت ٹی وی اسکرین پر مراد سعید کی تقریر بھی جاری تھی۔

موصوف فرما رہے تھے کہ پی ٹی آئی کی حکومت سے پہلے سرکاری محکمہ ڈاک پر کسی کو بھروسہ نہیں تھا؛ اور یہ کہ ان کے آنے کے بعد سے محکمہ ڈاک کی آمدنی میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔

یہ سن کر تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اگر مشتاق احمد یوسفی مرحوم کے الفاظ سے استفادہ کروں تو موجودہ حکومت میں ہر وزارت کی کارکردگی "سبک خرامی اور مخرامی سے ہوتے ہوئے ہڈ حرامی اور نمک حرامی تک پہنچ گئی ہے۔" اس بے شرم وزیر کو سب کے سامنے جھوٹ بولتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آئی، حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ 2016ء تک، ہم نے جب بھی گلوبل سائنس کو بذریعہ رجسٹرڈ بک پوسٹ بھجوایا، تو یہ شمارہ پاکستان کے دور دراز ترین علاقوں میں بھی سات دن کے اندر اندر پہنچ جایا کرتا تھا۔ رجسٹری پیکٹ گم ہونے کی شرح بہ مشکل تمام 2 فیصد کے لگ بھگ تھی۔

تبدیلی سرکار کے طفیل رجسٹرڈ پوسٹ گم ہونے کی شرح 20 فیصد سے بھی کچھ زیادہ ہو چکی ہے جبکہ ترسیل کا اوسط دورانیہ بھی 15 دن ہو چکا ہے۔(آج رات کو ایک قاری سے اطلاع ملی کہ اسے 2 ستمبر 2019ء کے روز، بذریعہ رجسٹرڈ بک پوسٹ بھیجا گیا تازہ شمارہ آج یعنی 9 اکتوبر 2019ء کی سہ پہر، پورے 37 دن بعد موصول ہو گیا ہے، جبکہ وہ صاحب کراچی کے رہائشی ہیں اور شمارہ بھی کراچی جی پی او سے ارسال کیا گیا تھا۔

شمارے کی لگ بھگ 100 کاپیاں محکمہ ڈاک نے غائب کر دیں اور ٹریکنگ مانگنے پر ٹکا سا جواب دے دیا کہ رجسٹرڈ بک پوسٹ سے بھیجے گئے شماروں کی ٹریکنگ نہیں دی جا سکتی، آپ شکایت جمع کروا دیجئے۔ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ رسید نمبر لینے کے بعد وہ ہمیں دو سے تین دن میں اطلاع کر دیا کرتے تھے۔ بعض احباب ایسے بھی ہیں جنہیں اب تک تیسری مرتبہ شمارہ بھجوایا جا چکا ہے اور وہ بے چارے اب تک ستمبر کا شمارہ ملنے کے منتظر ہیں۔

اور تو اور، 2 ستمبر کے روز بذریعہ یو ایم ایس بھیجا گیا ایک پارسل 12 ستمبر کو اسلام آباد میں موصول ہوا۔

غرض کہ محکمہ ڈاک کی کارکردگی دیکھ کر صاف لگ رہا ہے کہ حکومت نے اسے بھی فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، یا پھر ڈاک کے سرکاری محکمے کو تباہ کر کے پرائیویٹ کوریئر کمپنیوں کو ترقی کرنے کا موقع دیا جا رہا ہے تاکہ وہ صارفین کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر من مانے نرخوں پر ڈاک کی ترسیل کر سکیں۔

محکمہ جاتی کارکردگی اور دروغ گوئی کی بنیادوں پر دیکھا جائے تو مراد سعید کا نام ''مرِدار خبیث'' رکھنے کو جی چاہتا ہے۔

اب پتا چلا کہ تبدیلی سرکار میں کوئی بھی وزارت پانے کیلئے جھوٹ، ڈھٹائی اور بے غیرتی کو میرٹ کا درجہ حاصل ہے؛ جبکہ حکومت سے مخالف رائے رکھنے والوں کو گالیاں دینے کو ان کے یہاں ''کارکردگی'' کہا جاتا ہے۔

محکمہ ڈاک کی بربادی سے ایک طرف تو اشیاء کی خریداری پر پیشگی رقم ادا کر کے بذریعہ ڈاک منگوانے والے صارفین کا چھوٹے تاجروں پر سے اعتماد ختم ہو رہا ہے تو دوسری جانب ہم جیسے چھوٹے لوگوں کیلئے بھی کاروباری نقصانات بڑھتے جا رہے ہیں۔

اگر عمران خان اور پی ٹی آئی کے پجاریوں کے پاس اس تنقید کا کوئی جواب ہے تو ضرور پیش کریں۔ لیکن جواب مدلل ہونا چاہیئے۔ یہ بھی واضح کر دوں کہ حکومت اور حزبِ اختلاف کی سیاست سے میرا کوئی لینا دینا نہیں۔ میں تو بس ایک عام سا پاکستانی ہوں اور چاہتا ہوں کہ قارئین گلوبل سائنس کا اس ادارے پر اعتماد قائم رہے۔ لیکن محکمہ ڈاک کی یہ حرکتیں ہماری ساکھ کو شدید نقصان پہنچا رہی ہیں۔

البتہ، پی ٹی آئی سے شدید ترین محبت رکھنے والے احباب سے گزارش ہے کہ وہ کسی طرح یہ پوسٹ اُس بدزبان اور بداخلاق وزیر یعنی مراد سعید تک پہنچا دے اور اسے بتائے کہ اپنی وزارت کی جو کارکردگی وہ فخر سے بیان کر رہا ہے، اسے کارکردگی نہیں ''نااہلی'' کہتے ہیں۔

(نوٹ: یہ پوسٹ ہم نے فیس بک سے کاپی کی ہے، کیونکہ ہمیں بھی محکمہ ڈاک سے سخت اور شدید شکایات ہیں، ہمارے خیال میں گزشتہ دور میں جو سہولیات پوسٹ مینوں کو دی گئی تھیں وہ دھیرے دھیرے واپس لی جا رہی ہیں، جس سے مشکلات میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، ڈاک بروقت نہیں پہنچتی۔ جن کا ازالہ انہیں کرنا چاہیے)

شانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمود الرشید حدوٹی عباسی صاحب حفظہ اللہ

مہتمم جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

